انعامی نمبر اصلاح رجسٹرڈ سی ۳۴۰

# بل یداہ مبسوطتان

از تصانیف جناب فخر الملۃ صدر العلما مولانا الحاج
السید علی اظہر صاحب دامت برکاتہ




ہاتھ کہول کر نماز پڑہنے والا رسالہ
تمامی خریداران اصلاح ۱۳۲۷ھ کے لئے تحفہ

مطبع اصلاح کھجوہ ضلع سارن سے شائع ہوا

# ارسال الیدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین اما بعد اس رسالہ کی غرض اصلی اس امر کی تحقیق ہے کہ نماز پڑھنے مین ہاتھ کھول کر پڑھنا چاہئے جو طریقہ شیعہ ہے یا ہاتھ باندہ کر جو طریقہ اہلسنت ہے۔ مگر اس تحقیقات کا مدار صرف کتب معتبرہ اہلسنت پر ہے نہ کوئی روایت شیعہ لیجائیگی نہ انکی کسی کتاب کا حوالہ دیا جائیگا۔

چونکہ اسکے قبل تین مسئلہ کی تحقیق اسی قاعدہ سے ہوچکی ہے ایک مسئلہ کلوخ جسمین رسالہ الحجرہ تصنیف ہوا اور اوسنے تمام عالم کو بتادیا کہ کلوخ لینے کے بارے مین کسی طرح کی حدیث رسول اللہ سے نہین منقول ہے۔ بلکہ تمامی اہلسنت اس مسئلہ میں حضرت عمر کی سنت پر قائم ہین جسنے ثابت کردیا کہ اہلسنت کا عمل طریقہ عمری پر ہے نہ سنت نبی پر۔

دوسرا رسالہ وضو جسنے بدیہی طور پر کھول دیا کہ خلاف نص صریح قرآن فامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین جو طریقہ اہلسنت مین جاری ہے کہ وہ

غسل قدمین کرتے ہین اسکے موجد بھی عمر صاحب ہین نہ خدا و رسول تیسرا رسالہ البسملہ ہے جسنے تمام عالم پر ثابت کر دیا کہ رسول اللہ کا عام طریقہ یہی تھا کہ نماز مین ہر سورہ کے ساتھ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم کو باواز بلند پڑھا کرتے تھے مگر چونکہ عمر صاحب اسے نماز مین نہ پڑھتے تھے اسلئے وہی طریقہ اہلسنت مین رائج ہوا اور آیات و احادیث کے خلاف آج تک عمل کر رہے ہین خواہ اہل حدیث ہون یا حنفی حالانکہ خاص طور پر صحیح بخاری مین اسکا حکم تاکیدی موجود ہے کہ پیشاب مین پوری طہارت کرو عذاب قبر بیشتر اسیوجہ سے ہوتا ہے مگر چونکہ حضرت عمر پانی سے استنجا نہ کرتے تھے بلکہ دیوار پر رگڑ لیتے یا زمین پر وہی دستور اہلسنت مین جاری ہے بلکہ اوسی صحیح بخاری مین جریدتین کا بھی حکم ہے کہ حضرت نے قبرون پر تر ڈالیان رکھین اور بریدہ اسلمی صحابی نے اسکی وصیت کی کہ بوقت دفن اونکے ساتھ جریدتین رکھے جائین مگر اہلسنت کا عمل خلاف ہے لہذا نہایت واضح طور پر معلوم ہوا کہ اہلسنت کا عمل سنت عمر پر ہے اور اہلحق شیعہ اثنا عشریہ کا عمل سنت رسول اللہ پر کہ ایک امر مین بھی سنت نبوی کی مخالفت نہین کرتے۔ تو کیا اب بھی اسکے مدعی ہو سکتے ہین کہ اونکا عمل سنت رسول اللہ پر ہے ۔ ہرگز نہین۔

اب اس رسالہ کی تقسیم ایک مقدمہ اور دو جملون پر کی جاتی ہے پہلے جملہ مین ہاتھ کھولنے کے دلائل مذکور ہونگے اور دوسرے جملہ مین ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے دلائل کا ابطال کیا جائیگا شاید کوئی مسلمان اس سے ہدایت پائے اور براہ حق قبول کرے واللہ ولی التوفیق۔

# مقدمہ

اس مسئلہ مین اہلسنت کا چار مذہب ہے جسکو علامہ عبد الوہاب شعرانی اپنی کتاب رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ مین ان لفظون سے لکھتے ہین ۔

فصل واجمعوا على انه يسن وضع اليمين على الشمال في الصلوة الا في رواية عن مالك وهي المشهورة انه يرسل يديه ارسالا وقال الاوزاعي بالتخيير واختلفوا في محل وضع اليدين فقال ابو حنيفة تحت السرة وقال مالك والشافعي تحت صدره فوق سرته وعن احمد روايتان اشهرهما وهي التي اختارها الخرقي كمذهب ابو حنيفة والسنة عند الثلاثة ان ينظر المصلي الى موضع سجوده ص ۳۳ مطبوعہ مصر حاشیہ میزان الکبری

اجماع کیا ہے (۱) ائمہ اہلسنت نے کہ سنت ہے رکھنا داہنے ہاتھ کا بائین ہاتھ پر نماز مین (۲) مگر مالک سے روایت ہے اور وہی مشہور بھی ہے کہ وہ ہاتھون کو کھولکر نماز پڑہتے تھے (۳) اوزاعی قائل تخییر ہین کہ نماز پڑہنے والے کو اختیار ہے ہاتھ کھولکر نماز پڑہے یا باندہکر ۔

اب اسمین اختلاف ہے کہ دونو ہاتھ کہان رکھے جائین (۱) ابوحنیفہ کہتے ہین زیر ناف ۔ (۲) مالک شافعی کہتے ہین ناف کے اوپر سینہ کے نیچے احمد سے دو روایت ہے مشہور جسے خرقی نے بھی اختیار کیا ہے مطابق ابوحنیفہ ہے (زیر ناف

اور تینوں کے نزدیک یہ سنت ہے کہ مصلی نماز میں نظر کرے طرف موضع سجود اپنے۔

تو اب معلوم ہوا کہ ہر امام کا مذہب جداگانہ ہے ایک ہاتھ کھولتا ہے دوسرا سینہ پر تیسرا زیر ناف رکھتا ہے چوتھا کہتا ہے جہاں چاہو رکھو جس سے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس نتیجہ پر ضرور پہنچتا ہے کہ یہ مذہب رسول اللہ سے نہیں لیا گیا ہے نہ اونکے طریقہ پر انکا عمل ہے۔ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ حضرت کا کوئی خاص معمول تھا جسکے مطابق آپ نماز پڑھتے۔ اگر اس مذہب کے اصول وفروع آپسے ماخوذ ہوتے تو اونمیں یہ اختلاف نہوتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرتؐ ہر طرح سے پڑھتے تھے یعنی کوئی آپکا خاص طریقہ نہ تھا۔ بلکہ جب جیسا دلمیں آیا ویسا کیا ہے۔

تو گویہ مقولہ کسی مسلم کا نہیں ہو سکتا جو حضرت پر ایسا اتہام لگائے۔ مگر بالفرض اگر یہی بات ہے تو پھر ہر امام نے ایک خاص طریقہ اپنا کیوں بنا رکھا جس سے معلوم ہوا کہ بغرض تفریق جماعت مسلمین۔ فرقہ بندی قایم کرنے کے لئے ہر امام نے ایک ایک خاص صورت نکالی کہ مسلمانوں کی جماعت متفرق ہو تاکہ معلوم ہو کون کس مذہب کا پابند ہے حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا فتذهب ریحکم

شعرانی سے تعجب ہے کہ آخر اونہوں نے وضع یمین علی الشمال پر دعوے اجماع کیوں کیا۔ حالانکہ اسی مقام پر وہ لکھ رہے ہیں کہ مذہب مالک ارسال ہے دہاتھ کھولنا اور اوزاعی کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ قائل تخییر ہیں۔

کہ مصلی مختار ہے ہاتھ کھولکر پڑھے یا باندھ کر پھر اجماع کہاں رہا

حالانکہ یہی شعرانی اپنی میزان کبری مین امام شافعی سے ناقل ہین و بہ صرح الشافعی فی الام فقال وان ارسلھما ولم یعبث بھما فلا باس ص ۲۶ ج ۱

یعنی اسکی تصریح کی ہے شافعی نے ام مین کہ اگر دونو ہاتھ کھول دے اور بازی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہین۔ لہذا معلوم ہوا کہ شافعی بھی ارسال کے قائل ہین اور اسکو جائز جانتے ہین۔

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ مین کوئی دلیل شرعی انلوگو نکے پاس نہین ہے جس سے ہر قسم کے فتوے دیے گئے۔ آہ آہ نماز جو عمدہ ارکان دین سے ہے بلکہ مطابق عقاید اہلحدیث اصول دین مین داخل ہے۔ اوسکی یہ گت بنائی گئی کہ ظاہری صورت پر بھی نماز کے اتفاق نہین کہ آخر نماز پڑھی جائے تو کسطرح جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگون نے کبھی دیکھا ہی نہین کہ رسول اللہ کیونکر نماز پڑھتے ہین۔ ہاتھ باندھتے ہین یا کھول کر پڑھتے ہین۔

ان اختلافات سے آپ اس نتیجہ پر بھی ضرور پہونچینگے کہ کوئی روایت صحیح انکے پاس نہین ہے جس سے استدلال کرسکین۔ کیونکہ اگر کوئی حدیث ہوتی تو اسقدر اختلافات نہوتے۔

اف رے نیچری مسلمانون کی نماز سے اور اوسکے ارکان و آداب سے کہ اسقدر حیرت انگیز ہے کہ یہ بھی نہ معلوم ہوا سنت رسول کیا تھی اور اسپر دعوے اسلام ہے۔

یہ سب نتیجہ ہے اتباع صحابہ کا جو ماخذ احکام شریعت بنائے گئے اور

اور انکی روایت یا فعل پر مذہب کا مدار کہا گیا ورنہ اگر وہ اتباع ثقلین کرتے کتاب و عترت طاہرت احکام لیتے تو ہرگز کوئی اختلاف نہ ہوتا یہی وجہ ہے کہ شیعون مین کوئی اختلاف ہے نہ کوئی افتراق تمامی مومنین ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہین جو سنت رسول اللہ ہے۔

**مصالح قبض و بسط ید** اگر اس بیان شافی سے کہ اگر یہ لوگ عامل سنت رسول ہوتے تو یہ اختلاف نہوتا۔ تشفی نہو تو مزید تسکین کے لئے ان فواید و مصالح پر نظر کیجیے جو حضرات اہلسنت نے اپنی موشگافی سے یہان تو جیہیں نکالی ہین۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی میزان کبریٰ مین لکھتے ہین ص ۱۲۵ جلد اول مطبوعہ مصر

| | |
|---|---|
| ومن ذلك اتفاق الائمة على استحباب وضع اليمين على الشمال في القيام وما قام مقامه مع قول مالك في اشهر روايتيه انه يرسل يديه ارسالاً ومع قول الاوزاعي انه يتخير فالاول مشدد والثاني وما بعده مخفف وان تفاوت التخفيف ووجه الاول ان صورة موقف | یعنی اسی قبیل سے ہے اتفاق ائمہ اربعہ اسپر کہ نماز مین داہنا ہاتھ بائین پر رکھنا چاہیئے یا جو اسکے قایم مقام ہو۔ حالانکہ قول مالک مشہور ترین روایات مین یہ ہے کہ وہ دونو ہاتھ اپنے کھولتے تھے نماز مین پوری طور سے۔ اور اقول اوزاعی یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے چاہے کھولے یا باندھے۔ پس پہلا قول (باندھنے کا) مشدد ہے |

العبد بین یدی سیدہ
وھو خاص بالاکابر من العلماء
والاولیاء بخلاف الاصاغر
فان الاولی لھم ارخاء الیدین
کما قال بہ مالک رحمہ اللہ
وایضاح ذلک ان وضع
الیمین علی الیسار یحتاج
فی اعانتہ الی صرف الذھن
الیہ فیخرج بذلک کمال
الاقبال علی مناجاۃ اللہ
عزوجل التی ھی روح الصلوۃ
وحقیقتھا بخلاف ارخائھما
بجنبیہ ثم اختلفوا فی محل
وضع الیدین فقال ابوحنیفۃ
تحت السرۃ وقال مالک
والشافعی تحت صدرہ
فوق سرتہ وعن احمد روایتان
اشھرھما کمذھب ابی حنیفۃ
واختارھا الخرقی ووجہ

(یعنی سختی کرنے والا) اور دوسرا
مخفف ہے تخفیف کرنے والا اگرچہ
درجہ تخفیف مین تفاوت ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عبد
کی صورت سامنے اپنے آقا کے یہی
ہونی چاہئے۔ اور یہ خاص ہے
اکابر علما اور اولیا کے ساتھ بخلاف
اصاغر (چھوٹے درجہ کے لوگ) کہ
اونکے لیے یہی اولی ہے کہ ارخاء
کرین (ہاتھ کھولے رہے ہین جیسا
مذہب مالک ہے توضیح اسکی یہ ہے
کہ داہنی ہاتھ کا رکھنا بائین پر
اسکا محتاج ہے کہ ذہن بٹا رہے
جس سے کمال اقبال یعنی توجہ
مین کمی آجائیگی۔ حالانکہ یہی روح
نماز ہے اور حقیقت صلاۃ (یعنی
ہاتھ باندھنے سے خضوع وخشوع
مین کمی ہوتی ہے) بخلاف ہاتھ
کھولنے کے دونو طرف رکھ او سمین

الاول خفة كونها تحت السرة على المصلی بخلاف وضعها تحت الصدر فانه یحتاج الی مراعاتها لثقل الیدین وتدلیهما اذا طال الوقوف فرجع الامر الی مرتبتی المیزان فلذلك كان استحباب وضع الیدین تحت الصدر خاصا بالاکابر الذین یقدرون علی مراعاة شیئین معا فی ان واحد دون الاصاغر وسمعت سیدی علیا الخواص رحمه الله یقول وجه قول من قال بعدم استحباب وضع الیدین تحت الصدر مع ورود ذلك من فعل الشارع كون مراعاة المصلی دوامها تحت الصدر یشغله غالبا عن مراعاة

خضوع مین کمی نہ ہوگی)

پھر اسمین اختلاف ہے کہ دونو ہاتھ کہان رکھے جائین - ابو حنیفہ تو تحت السرہ کہتے ہین (زیر ناف) اور مالک وشافعی کہتے ہین تحت الصدر فوق السرہ (سینہ کے نیچے ناف کے اوپر) احمد سے دو روایت ہے مشہور وہی ہے جو موافق ابو حنیفہ ہے - اسیکو خرقی نے اختیار کیا ہے پہلے (زیر ناف) کی یہ وجہ ہے کہ اگر وہان رکھینگے تو نماز پڑہنے والے پر کوئی ثقل (بوجھ) نہوگا - بخلاف اسکے کہ اگر سینہ کے نیچے رکھینگے - تو وہ اسکا محتاج ہوگا کہ ہر وقت اوسکا خیال رکہا جاوے - کیونکہ ہاتھ خود ثقیل ہے - اور فطرۃً وہ نیچے لٹکا جاہتا ہے جب دیر تک قیام رہے -

كمال الاقبال على مناجاة
الله عزوجل فكان ارسالهما
اوجعلهما تحت السرة
مع كمال الاقبال على المناجاة
والحضور مع الله اولى
من مراعاة هيئة من الهيئات
فمن عرف من نفسه العجز
عن مراعاة كون يديه تحت
صدره فى الصلوة الامع
الغفلة عن كمال الاقبال
على الله عزوجل فارسال
يديه بجنبيه اولى وبه
صرح الشافعى فى الام فقال
وان ارسلهما ولم يعبث
بهما فلا باس ومن عرف
من نفسه القدرة على الجمع
بين الشيئين معا فى آن
واحد كان وضع يديه
تحت صدره اولى بذلك

تو اب میزان کے دونو طرف
رجوع کرنا پڑا - اسلئے مستحب ہوا
ہاتھ رکھنا سینہ کے نیچے - اکابر علما
اولیاء) کے لئے جو قادر ہیں دونو
امر کی مراعات کے (یعنی خضوع
کا بھی خیال رکھیں - اور ہاتھونکو
سینہ کے نیچے بھی سبنھالیں) نہ اصاغر
(یعنی کم درجہ والونکے لئے یہ حکم نہیں
ہے)

ہمنے اپنے سید علی خواص رحمہ سے
سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جو لوگ
اسکے قائل ہیں کہ سینہ کے نیچے
رکھنا چاہئے حالانکہ یہ فعل شارع سے
ثابت ہے (باوصف ثبوت مخالفت
کمال تعجب خیز ہے) تو اسکی یہ وجہ
ہے کہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور
قلب پورا نہیں حاصل ہوتا حالانکہ
اصل نماز ہی حضور قلب ہے - اسی
لئے ہاتھوں کا کھولنا اولی ہے

| تحصیل الجمع بین اقوال الائمہ رضی اللہ عنہم اتھے۔ | اور اسکی تصریح کی ہے شافعی نے کتاب ام مین کہ وہ اگر ہاتھون کو |
| --- | --- |

کھولدے دونو بغل کی طرف اور بازی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہین۔
اور جو شخص اپنی نفس سے جانے کہ حضور قلب اور ہاتھونکے رکھنے کو دونو کو ساتھہ ہی سبنھال سکتا ہے تو اوسکے لئے سینہ کے نیچے ہاتھ رکھنا بہتر ہے اور اس طریقہ سے ائمہ اربعہ کے اقوال مین جمع حاصل ہوگا۔ تمام ہوا ترجمہ یہ ہین توجیہین اور اسکا نام ہے موشگافی کس کس طرح بال کی کہال نکالی جاتی ہے۔ مگر نہ اسمین کوئی قول رسول ہے نہ قول خدا بلکہ ائمہ اربعہ کی جدت پسندی ہے اور شعرانی کی موشگافی جبکا خلاصہ یہ ہے۔
کہ اصل مقصود بلکہ نماز کی روح کیا ہے حضور قلب۔ وہ اسی صورت مین حاصل ہو سکتا ہے کہ جب ہاتھ کھلے رہین کیونکہ اسوقت مین اوسکا دل و دماغ صرف خدا کی طرف متوجہ ہوگا۔ بخلاف اسکے کہ اگر ناف پر رکھے یا سینہ پر تو ہر حال مین حضور قلب مین فرق آئیگا اور پوری طور سے حضور قلب نہوگا۔
اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بہتر کیا ہے ہاتھ کا کہولنا جس سے حضور قلب پوری طور سے ہو سکتا ہے کہ ہاتھ باندہنا جس سے بہر طور حضور قلب مین کمی ہوگی اسے یہان تعصب مذہبی کو چھوڑ دیجئے اور پہلے کسی شیعہ کی مسجد مین جاکر اوسکے ہیشتہ نماز کو دیکھئے (کیونکہ عوام کا اعتبار نہین) پھر اوسکے بعد آپ پہلے حنفیون کی مسجد مین جائیے۔ پھر اہلحدیث کی مسجد مین۔ اور غور کی نگاہ سے دونون کے افعال نماز پر نظر کیجئے تو صاف معلوم ہوگا شیعہ نماز کو ایک

عبادت سمجھکر پڑھ رہا ہے۔ اور سنی اپنی نوکری بجا لا رہا ہے کہ جلد کام کر کے بھاگو۔

ہاں شعرانی نے جو حنفی المذہب ہیں ائمہ اربعہ کے اختلاف سے مسلمانونکو تین کلاس پر منقسم کیا ہے۔ ایک (لوور کلاس) ادنی (اصاغر) دوسرے مڈل (اوساط) تیسرے (فرسٹ کلاس) اونکے بھی بزرگ۔ اصاغر یعنی پست درجہ والونکے لئے تو اسکا فتوی دیا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑہیں کیونکہ اسمیں حضور قلب زیادہ ہے اور یہی فتوی امام مالک کا ہے جسکے مطلب یہ ہوئے کہ امام مالک کا درجہ پست ہے وہ ادنی درجہ کے لوگونکے امام ہیں حالانکہ بالاتفاق اہلسنت اونکو سب معظم و محترم جانتے ہیں۔

دوسرے درجہ کے امام اعظم ہیں جو زیر ناف ہاتھ رکھنے کو کہتے ہیں کیونکہ اسمیں پھر بھی آسانی ہے اور حضور قلب بہ نسبت پہلے کے کم۔

تیسرے یعنی فرسٹ کلاس کے امام شافعی ہیں جسمیں زیادہ دقت ہے کہ زیر صدر ہاتھ رہے۔ اور حضور قلب بالکل نہو۔

تو اس تقسیم کا حاصل یہ ہوا کہ جسقدر حضور قلب کم ہوگا اوسی درجہ اوسکی عزت ہے کیونکہ جب سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور قلب کی کمی کا ہونا لازم ہے۔ تو پھر اوسکی عظمت کے قائل ہونے کا یہی نتیجہ ہے کہ جہانتک حضور قلب کم ہو وہ بہتر ہے۔

اسکی وجہ تو آپکو معلوم ہوگی کہ اسکی ابتدا کس سے ہے شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں ابو بکر عن عروہ قال عمر انی لا عجب

جزیۃ البحرین وانا فی الصلوۃ - ابوبکر عن عثمان النھدی
قال عمر لاجھز جیوشی وانا فی الصلوۃ ص ۹۳

یعنی ابوبکر عروہ سے ناقل ہین کہ کہا عمر نے تحقیق مین حساب کرتا ہون جزیہ شہر بحرین کا نماز مین اور ابوعثمان نھدی سے روایت ہے کہ کہا عمر نے مین تو اپنا لشکر طیار کرکے روانہ کردیتا ہون حالانکہ مین نماز پڑھرہا ہون۔

تو اب معلوم ہوا کہ اصلی اسکی وجہ کہ حضور قلب والی نماز پست درجہ کی ہے اسیوجہ سے ہے کہ خلیفہ دوم کے دستور العمل کے خلاف ہے۔ کیونکہ اونکی نماز تو صرف اسلام کی پردہ داری کے لئے تھی۔ مگر افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحب کو اس مسئلہ خاص مین کوئی روایت نہ ملی کہ آخر حضرت عمر نماز کیونکر پڑھتے تھے ہاتھ کہول کر یا باندہ کر مگر جب یہ مسلم ہوچکا کہ ہاتھ باندہنے سے حضور قلب مین فرق آتا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑھتے ہون کیونکہ جزیہ وغیرہ کا حساب لشکر کی روانگی بھی تو توجہ قلب پر منحصر ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہین - اور آیندہ معلوم ہوگا کہ تمامی اہل مدینہ کا یہی عمل تھا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھین -

یہان اگر نماز جناب امیرؑ پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے تو معلوم ہو کہ اوسکی کیا حالت تھی کیونکہ تمام عالم کو معلوم ہے حضرت اس حضور قلب سے نماز پڑہتے تھے کہ پائے مبارک سے تیر نکال لیا جاتا تو آپکو اوسکے درد والم کا احساس نہوتا حالانکہ قبل نماز اوسکا نکالنا نہایت موذی اور تکلیف وہ تھا کہ نکل نہ سکتا تھا۔

بہرحال ان تحقیقات سے اسقدر تو یقیناً معلوم ہوا کہ حضور قلب صرف اوسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب ہاتھ کھلے رہیں۔ اور ہاتھ باندھنے مین وہ بات کسی طور سے نہیں حاصل ہو سکتی۔ تو اب جنکو کو نماز بحضور قلب پڑھنا ہو اونکو یہی لازم ہے۔

ہان یہ امر دریافت طلب ہے کہ یہ تقسیم کس قاعدہ سے کی گئی ہے کیا خدا کا کوئی حکم ہے یا رسول کا کہ تم آدمیونکو تین حصہ پر تقسیم کرو ایک اکابر۔ دوسرے اوسط تیسرے اصاغر اور تینون کے لئے نماز کی ہیئت کا حکم جداگانہ ہے۔ اگر یہ تقسیم شارع علیہ السلام سے ثابت ہوجائے تو بہتر و الا آیہ ومن یشاقق الرسول پر خیال کرنا چاہئے۔

**قرآن سے استدلال ہاتھ باندھنے پر** اب اسپر اور ترقی کیجئے تو ایک ایسا زعفران زار کشمیر نظر آئے کہ سارے نظارونکو آپ بھول جائیں کیونکہ یہی علامہ شعرانی اپنے شیخ اکبر محی الدین عربی کا ایسا لطیفہ نقل کرتے ہیں جس سے سننے والونکے پیٹ مین بل پڑجائے کیونکہ اونہونے قرآن سے بلکہ خود سورہ الحمد للہ سے اسکو ثابت کردیا ہے کہ نماز مین ہاتھ باندھنا چاہئے دیکھئے علامہ شعرانی کبریت احمر فی علوم الشیخ الاکبر مین لکھتے ہین ص۵ برحاشیہ الیواقیت والجواہر۔

| | |
|---|---|
| ذکر الشیخ فی الباب التاسع و الستین وثلثمائۃ مانصہ اعلم ان من آداب الوقوف | یعنی شیخ محی الدین نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۹ مین لکھا ہے کہ اداب وقوف سے سامنے خداوند عز وجل کے تذلل |

بين يدی الله تعالی فی
الصلوة الذل والمسكنة و
التكنف شغل العبد الذليل
فی حال مناجاة سيده وقد
وردت السنة بذلك وهو
عندی احسن من اسبال
اليدين قال وايضاح ما قلناه
ان الله تعالی قسم الصلوة
بينه وبين عبده نصفين فجزء
منها يخلص لله من اولها
الی قوله مالك يوم الدين
فهذا بمنزلة اليد اليمين اشارة
للقوة الالهية قال تعالی
لاخذنا منه باليمين والجزء
الاخر يخلص للعبد من قوله
اهدنا الی اخر السورة فهذا
بمنزلة اليسری الذی هو
الجانب الاضعف الاصغر
قال ولما كان جزء منها بين

وسکنت ہے - اور ہاتھ باندھنا شغل
عبد ذلیل ہے وقت مناجاۃ خداوند
عزوجل - اور اسیکے مطابق سنت
بھی وارد ہے - اور یہ میرے نزدیک
ہاتھ کھولنے سے افضل ہے توضیح
اسکی یہ ہے کہ خدا نے نماز کو دو حصہ پر
تقسیم کیا ہے ایک حصہ اپنے لئے اور
ایک حصہ بندہ کے لئے - پس جو جزو
کہ خالص ہے خدا کے لئے اوسکی ابتدا
بسم اللہ سے ہے مالک یوم الدین تک
یہ بمنزلہ دست راست کے ہے جسمیں اشارہ
ہے طرف قوت الٰہیہ کے کہ خدا فرماتا ہے
واخذناہ بالیمین -

اور دوسرا جزو جو خاص بندہ کا حصہ ہے
وہ شروع ہوتا ہے اھدنا الصراط
المستقیم سے آخر سورہ تک پس
یہ بمنزلہ دست چپ ہے جو جانب ضعیف
وصغیر ہے -

اور چونکہ ایک جزء اس سورہ کا مشترک

الله وبين عبده وهو قوله
اياك نعبد واياك نستعين
جمع العبد بين يدي في الصلوٰة
مجامع المناجاة فكملت صفة
العبد بجمعه بين يديه ولو
اسبل يديه لم تكمل صفته
فانظر الى هذه الحكمة ما
اجلاها الذي عينين انتهى
ثم لا يخفى انه اذا كان جعل
اليدين على الصدر تشغل
العبد عن مناجاة ربه فارسالهما
اولى فالتحقيق ان جعل اليدين
على الصدر للكملاء الذين
لا يشغلهم ذلك عن الله تعالى
وان ارسالهما اولى لغير الكمال
اذ هم اعانة وضعهما على الصدر
يشغل عن كمال التوجه فليتامل
والله اعلم ص ۵ برحاشيه
البواقيت والجواهر

ہے درمیان خدا اور بندہ کے کہ وہ
آیہ ایاک نعبد وایاک نستعین ہے
لہذا بندہ کے جمع کرنیسے دونون
ہاتھون کے سامنے خداوند عالم کے
کامل ہوتی ہے صفت عبودیت۔
اور دیکھو یہ کیسی حکمت ہے جو واضح
ہے صاحب معرفت کے لئے۔
خود شعرانی بعد نقل اس عبارت کے
لکھتے ہین کہ جب ہاتھونکا رکھنا سینہ پر
انسان کو باز رکھتا ہے مناجات
خدا سے۔ تو ہاتھونکا کھولنا اولی ہے
پس تحقیق یہ ہے کہ ہاتھونکا رکھنا
پر اون کاملون کے لئے ہے جنہین
اسطرح کے ہاتھ رکھنے سے مناجاۃ
خدا مین فرق نہ آتا ہو۔ اور ہاتھونکا
کھولنا اولی ہے۔ غیر صاحب
کے لئے کیونکہ ہاتھون کے رکھنے
کا خیال باز رکھتا ہے مناجاۃ
اور کمال توجہ سے

اس کا نام ہے معرفت اور اس کا نام ہے تحقیق کہ کس خوبصورتی سے ہاتھ باندھنے کو قرآن سے نہیں بلکہ سورۃ الحمد سے ثابت کر دیا کیونکہ سورۃ الحمد کا نصف حصہ خدا کے لیے ہے وہ دایاں ہاتھ ہوا۔ اور نصف حصہ بندہ کے لئے وہ بایاں ہاتھ ہوا۔ اور چونکہ ایک آیہ میں خدا اور بندہ دونوں شریک ہیں لہذا دونوں ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا چاہیے۔

کیا کہنا ہے اس تحقیق کا اور کیا کہنا ہے اس عرفان کا کہ مارین سر پہ ہوئے گھٹنا اسی کا نام ہے۔

**لطیفہ شب قدر** یہاں بے اختیار وہ لطیفہ یاد پڑتا ہے کہ خلیفہ دوم کے سامنے لیلۃ القدر کی تحقیقات ہو رہی تھی کہ کون سی شب ماہ مبارک رمضان میں لیلۃ القدر ہے۔ یہ معمی کسی طرح حل نہوتا تھا لہذا خلیفہ دوم نے حضرت ابن عباس سے فرمائش کی غوطہ لگا کر لیلۃ القدر کا پتہ لگاؤ۔ ابن عباس نے چٹکیوں میں حل کر دیا کہ لیلۃ القدر میں نو حرف ہے۔ اور تین مرتبہ اسکا ذکر سورۃ القدر میں آیا ہے لہذا ۹ کو تین میں ضرب دو تو ۲۷ حاصل ہوتے ہیں۔ بس یہی شب قدر ہے اور اسی پر تمامی اہلسنت کا عمل ہے کہ ۲۷ کو شب قدر مناتے ہیں۔

جس مذہب کا یہ استدلال ہو اور اسطرح مذہب قایم کیا جاتا ہو پھر اوس مذہب کا کیا ٹھکانا اور کیا حساب کہ جدہر کا جوڑ چاہا جدہر لگا دیا اور ایک مسئلہ گڑھ لیا۔

اگر آپکو میرا کلام باور نہ آئے تو تحقیقات اہلسنت ملاحظہ فرمائیں کہ

وہ کن لفظوں سے اس تحقیقات کو لکھتے ہیں اور پھر شرماتے ہیں۔

تفسیر کبیر میں ہے صفحہ ۶۲۳ جلد ۸۔

وثالثھا نقل عن ابن عباس انہ قال لیلۃ القدر تسعۃ احرف وھو مذکور ثلث مرات فیکون السابعۃ والعشرین

اور فتح الباری میں ہے۔ وقد استنبط بعضھم ذلک من جھۃ اخری فقال لیلۃ القدر تسعۃ احرف اعیدت فی السورۃ ثلث مرات فذلک سبع وعشرون ص ۲۲۳ جلد ۲

ترجمہ تفسیر کبیر یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ اونہوں نے کہا لیلۃ القدر میں نو حرف ہے اور تین مرتبہ سورہ میں آیا ہے لہذا ۲۷ تاریخ شب قدر ہے۔

اور فتح الباری میں ہے کہ بعض لوگوں نے دوسری طرح سے استنباط کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے نو حرف ہیں اور سورہ میں تین مرتبہ اوسکا اعادہ کیا گیا لہذا ۲۷ شب قدر ہے۔

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ اوسی فتح الباری میں ہے وزعم ابن قدامہ ان ابن عباس استنبط ذلک من عدد کلمات السورۃ وقد وافق قولہ فیھا ھی سابع کلمۃ بعد العشرین وھذا نقلہ ابن حزم عن بعض المالکیہ وبالغ فی انکارہ نقلہ ابن عطیہ فی تفسیرہ وقال انہ من ملح التفاسیر ولیس من متین العلم ص ۲۲۳ جلد ۲

یعنی ابن قدامہ نے یہ گمان کیا ہے کہ ابن عباس نے ۲۷ تاریخ کا استنباط کیا ہے عدد کلمات سورہ سے تو لفظ ھی ستائیسواں کلمہ پڑا لہذا معلوم ہوا کہ یہی تاریخ شب قدر ہے۔ اس کو نقل کیا ہے ابن حزم نے بعض مالکیہ سے اور پھر بہت مبالغہ کیا ہے اسکے رد میں اور نقل کیا ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں اور کہا یہ ملح تفاسیر سے ہے نہ متین علم سے۔

اس تحریر سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مذہب اہلسنت کا مدار کن اصول پر ہے کہ نہ قول خدا سے کام ہے نہ حدیث رسول ؐ سے بلکہ توہمات وخیالات پر اوس کی بنا ہے شب برأت کی حالت تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں اور شب قدر کا حال معلوم ہی ہوا کہ یہیں ۹ کو تین میں ضرب دیتے ہیں کہیں کلمات سورہ کو گنتے ہیں حالانکہ خود اونکے یہاں باتفاق اکثر اہل علم ثابت ہے کہ یہی ۲۳ رمضان شب قدر ہے مگر شیعوں سے مخالفت کر کے ۲۷ بنایا گیا اسی پر ہاتھ باندھنے کو نماز میں قیاس فرمایئے کہ محض اس سے کہ شیعہ مطابق سنت رسولؐ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہیں اسلئے اونہوں نے ہاتھ باندھکر نماز پڑھنا شروع کیا۔

جیسا کہ نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا بہ آواز بلند کہنا۔ اسلئے ترک کیا گیا کہ شیعیان مصر جو خلیفہ تھے بآواز بلند کہا کرتے ہیں جیسا کہ تاریخ کامل میں ہے

فیہا امر بترک الجہر بالبسملۃ فی جوامع بغداد لان العلویین اصحاب مصر کانوا یجہرون بہا فترک ذلک مخالفۃ لہم لا اتباعا للمذہب

احمد الامام ص ۱۱۳ جلد ۱

یعنی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا نماز مین بغداد کی مسجد ونمین اس وجہ سے موقوف کیا گیا کہ خلفائے علویین جو مصر مین تھے بہ آواز بلند کہا کرتے تھے اونکی مخالفت کے خیال سے موقوف کردیا گیا نہ اسوجہ سے کہ یہ مذہب امام احمد بن حنبل تھا۔

جہر بسم اللہ

خلفائے علویین کی خلافت مصر مین ۲۹۷ھ سے قایم ہوئی پہلے اودھر زیادہ توجہ نہ ہوئی۔ مگر بعد کو بہت کوشش کی گئی کہ وہ مٹادی جائے۔ مگر چند روزون مین اوسکی قوت اتنی بڑہ گئی کہ خود بغداد مین اونکے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ مگر آخر مین دونو خلافتین مٹ گئین۔ لہذا اس تحریر سے معلوم ہوا کہ ایک عرصہ تک بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری رہا۔

اس ترک بسم اللہ کی ابتدا اگرچہ شیخین سے ہوئی مگر بعد اونکے جناب امیر المومنین ع کی بدولت یہ سنت رائج ہوچکی تھی کہ معویہ نے پھر سنت شیخین کو عداوت جناب امیر سے رائج کرنا چاہا دراسات اللبیب مین ہے ومنہا

ترک التسمیۃ فی الصلوۃ جہرا لما قدم المدینۃ المطہرۃ انکرت علیہ ذلک المہاجرون والانصار وقالوا اسرقت التسمیۃ یا معویہ ص ۲۰

یعنی معویہ کی بدعتونسے ہے کہ جب مدینہ آیا تو اوسنے نماز مین بسم اللہ کو بہ آواز بلند کہنا ترک کیا جسپر ہر طرف سے مہاجرین و انصار نے غل مچایا کہ بسم اللہ کو

جہراً لیا۔ اے معویہ جس سے معلوم ہوا کہ خلافت علو مین مصر کے قبلی بھی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری تھا معویہ نے جبراً چاہا کہ موقوف کرے مگر نہو سکا یہ مسئلہ قدیم الایام سے اختلافی ہے اور مذہب حق یہی ہے کہ ہر نماز مین بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بہ آواز بلند کہنا چاہیئے چنانچہ رسالہ البسملۃ مین پوری تحقیق اسکی کر دی گئی ہے۔ یہان بمناسبت مقام میزان کبری شعرانی کی عبارت کافی ہے لکھتے ہین صفحہ ۱۲۵ جلد اول۔

ومن ذلك قول الامام ابي حنيفة ومالك ان البسملة ليست من الفاتحة فلا تجب مع قول الشافعي واحمد انها منها فتجب وكذلك القول في الجهر بها فان مذهب الشافعي الجهر بها ومذهب ابي حنيفة الاسرار بها وكذلك احمد وقال مالك يستحب تركها والافتتاح بالحمد لله رب العلمين وقال ابن ابي ليلى يتخير وقال النخعي الجهر بها بدعة فوجه الاول في المسئلتين ا مرتبتي الميزان ووجه الاول في المسئلة الاولى والثانية الاتباع۔

یعنی انہین اختلافات سے مسئلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے کہ ابو حنیفہ مالک کہتے ہین۔ وہ جزو سورۃ الحمد نہین ہے لہذا واجب نہین۔ قول شافعی و احمد یہ ہے کہ جزو سورہ ہے لہذا واجب ہے اب انہین اختلاف ہے کہ جہر کرنا چاہیئے شافعی قائل جہر ہین کہ بلند آواز سے کہو۔ مذہب ابو حنیفہ یہ ہے کہ اگرچہ واجب نہین ہے مگر کہو تو آہستہ۔ یہی مذہب احمد ہے۔ مالک قائل ہین کہ ترک بسم اللہ مستحب ہے الحمد سے شروع کرنا چاہیئے۔ ابن ابی لیلی قائل تخیر ہین۔ چاہے کہے یا نہ کہے۔ نخعی قائل

فقد ورد انه صلی اللہ علیہ
وسلم کان یقرءھا مع الفاتحۃ
تارۃً ویترکھا تارۃً اخری
فاخذ کل مجتھد بما بلغہ من
احدی الحالتین وفی ذالك
تشریع للاکابر والاصاغر من
اھل الکشف والحجاب فمن
رفع حجابہ حین دخل فی
الصلوۃ وکان مشاھداً
للحق تعالی بقلبہ فالمناسبۃ
ذکر الاسم الذی ھو شعار
اھل الحجاب ومن لم یکشف
حجابہ فالمناسب لہ ذکر
الاسم الشریف لیتذکر بہ
صاحب الاسم کما ورد فی
بعض الھواتف الربانیۃ اذا
لم ترنی فالزم اسمی فاخذنا
من ھذا ان من راٰہ بقلبہ
لا یؤمر بذکر اسمہ ومن ھنا

ہیں کہ جہر کرنا بدعت ہے تو اب
یہ مسئلہ میزان میں دو امر کیطرف
راجع ہے ۔ وجہ اول دونو
مسئلہ میں اتباع ہے کیونکہ وارد
ہوا ہے کہ حضرت کبھی پڑھتے تھے
کبھی نہ پڑھتے تھے جس مجتہد کو
جیسی روایت پہونچی اوسپر
عمل کیا (غرض رسول اللہ نے
خود اختلاف ڈالا)
اس اختلاف سے اکابر و اصاغر
کے لئے دو حکم علحدہ ہوئے جسکا
حجاب مرتفع ہوا مرتبہ کشف میں
پہونچا اور خدا کے مشاہدہ سے
فائز ہوا اوسکو تو مناسب نہیں
کہ خدا کا نام لے کیونکہ حضور میں
حاضر ہے ۔ اور جسکو یہ درجہ نہیں
حاصل ہوا اوسے کہنا چاہیئے ۔ اسکی
طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے
؎ خدا کے یاد کرنے سے گناہ بڑھتی

الغر بعضهم ذلک فی شعره
فقال ؎
بذکر الله تزداد الذنوب
وتنطمس البصائر والقلوب
وذکر الله افضل کل شیٔ
وشمس الذات لیس لها مغیب
ویؤید ذلک قول الشبلی
رحمه الله حین قالوا له متی
تستریح فقال اذا لم ار لله
تعالی ذاکرا ای لان الذکر
لا یکون الا فی حال الحجاب
عن شهود المذکور فما تمنی
الشبلی الا حضرة الشهود
لانها هی التی لا یری الله
تعالی فیها ذاکرا بلسانه اکتفاء
بمشاهدته تعالی ومناجاته
بالقلب وحضرة الحق تعالی
بهت وخرس لشدة ما یطرق
اهلها من الهیبة والتجلی

ہیں - اور آنکھ اور دل اندھے
ہو جاتے ہیں - حالانکہ ذکر خدا
ہر شی سے افضل ہے - اور شمس ذات
کبھی غائب نہیں ہوتا - اسیکا موید ہے
قول شبلی کہ کسینے پوچھا تمکو کب آرام
ملتا ہے - کہا جب دیکھتے ہیں کہ خدا
کا کوئی یاد کرنیوالا نہیں ہے - کیونکہ
ذکر ہمیشہ حالت غیبت میں ہوتا ہے
لہذا شبلی نے خواہش کی کہ ہمیشہ شہود
رہے - کیونکہ اوسوقت خدا کے یاد
کرنیوالے کو نہیں دیکھتے -
مینے اپنے بھائی افضل الدین کو
سنا کہتے تھے کہ ذکر خدا زبان سے
اصاغر و اکابر سبکے لئے مشروع ہے -
کیونکہ حجاب عظمت کسیکے لئے کبھی
نہیں اوٹھتا مگر انبیا کے لئے لہذا حجاب
کا ہونا ضروری ہے مگر وہ دقیق ہے
یہ کلام نہایت نفیس ہے جو کسی کتاب
میں نہیں ملتا - سیدی علی خواص کہتے

قال تعالی وخشعت الاصوات
للرحمن فلا تسمع الا همسا
وسمعت اخی افضل الدین
رحمه الله یقول الذکر باللسان
مشروع للاکابر والاصاغر
دون حجاب العظمة لم یرتفع
لاحد الا للانبیاء فلابد من
حجاب لکنه یدق فقط انتهی
وهو کلام نفیس لا یوجد فی
کتاب وسمعت سیدی علیا
الخواص رحمه الله یقول
ذکر الله تعالی علی نوعین ذکر
اللسان وذکر حضور کما ان
ترك الذکر کذلك علی نوعین
ترك من حیث الغفلة وترك
من حیث الحضور والدهشة
فالاول من الذکرین مفضول
والثانی فاضل والاول من الترکین
مذموم والثانی محمود وهو

تھے کہ ذکر خدا دو قسم پر ہے ذکر لسان
ذکر حضور جیسا کہ ترک ذکر بھی دو
قسم پر ہے ایک ترک غفلت دوسرے
ترک حضور و دہشت۔ پہلا ذکر مفضول
ہے اور دوسرا فاضل۔ اور دونو
ترک سے پہلا ترک غفلت مذموم ہے
اور دوسرا محمود۔ اسی پر قول شبلی
محمول ہے۔
سید علی مرصفی کہتے تھے کہ آنحضرت
اسوجہ سے کبھی بسم اللہ کہتے تھے اور
کبھی نہیں کہتے تھے کہ امت کیلئے
جنمیں ضعیف و قوی سب داخل ہیں
ایک شریعت قائم ہو۔ ورنہ حضرت
تو ہر وقت مرتبہ شہود میں رہتے تھے
سید علی خواص کہتے ہیں خدا نے
اسلئے اکابر کو حکم دیا جہر بالقراءۃ
(یعنی آواز بلند پڑھنا) کہ اگر ایسا نہ کرتا
تو پھر کسیکو جرأت نہوتی کہ کوئی
ذکر کر سکے کیونکہ ہیبت خداوند عالم

الذی حملنا علیه قول الشبلی
انفا و سمعت سیدی علیا
المرصفی رحمه الله تعالی یقول
ربما کان رسول الله صلی
الله علیه وسلم یترک السنة
فی بعض الاوقات و یذکرها
فی بعض الاوقات تشریعا
لضعفاء امته واقویائهم
والا فهو صلی الله علیه وسلم
حاضر مع ربه علی الدوام
لانه ابن الحضرة واخو الحضرة
وامام الحضرة۔ وسمعت سیدی
علیا الخواص رحمه الله تعالی
یقول لولا ان الله تعالی امر
الاکابر بالجهر بالقراءة والاذکار
اذا وقفوا بین یدیه فی الصلاة
ما جسر احد منهم ان ینطق
بکلمة لعموم الهیبة لاهل
تلک الحضرة ولکن ربما تجلی

اس قسم کے لوگ تو ہر وقت محتاط ہی
ہے۔ مگر بعض اوقات اس طرح کی
تجلی ہوتی ہے جو طاقت بشری کے
مافوق ہے جس سے نہ تکبیر کہہ سکتا ہی
نہ جہر کر سکتا ہے۔ تو یہ اس قسم سے ہے
کہ حضرت فرماتے مجھے اسوجہ سے نسیان
ہو جاتا ہے کہ لوگ میری پیروی کریں

تمام ہوا ترجمہ

میری غرض اس مسئلہ کی
تحقیقات یہاں نہیں ہے بلکہ دکھانا
ہے کہ شریعت رسول اللہ کسطرح
تباہ کی گئی ہے اور کسطرح کا
اختلاف ڈالا گیا ہے جو قیامت
تک مٹنے والا نہیں حالانکہ بقول
فخر رازی۔ یہ امر تواتر ثابت ہی
کہ رسول اللہ بہ آواز بلند بسم اللہ
پڑھا کرتے۔ پھر یہ لوگ کیونکر اسکے
مدعی ہو سکتے ہیں کہ ہم سنت
رسول کے عامل ہیں۔

لہ الحق تعالی فی بعض الاوقات بما ھو فوق طاقتہ فیعجز عن الجھر بالبسملۃ او بالتکبیر فیکون ذلک من باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم انما انسی لیستن بی فافہم۔

سب سے زیادہ خرابی ان صوفیون نے ڈالی ہے جو اولیاء کرام کہے جاتے ہیں اور اسطرح کی خرابی شریعت میں ڈالتے ہیں جسکی کوئی انتہا نہیں۔ شریعت کو دو حصہ پر منقسم کر رہے ہیں ایک اولیا کیلئے دوسرے معمولی آدمیونکے

لہ۔ اور درجہ رسول اوسمین معمولی انسان کے برابر قرار دیتے ہین۔

## رجوع اصل مسئلہ کی طرف

بہرحال اصل مسئلے کے متعلق اسقدر تو یقینی معلوم ہوا کہ حضور قلب کیلئے یہی مناسب ہے کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہی جائے۔ اور ہاتھ باندھکر نماز پڑہنے میں حضور قلب نہیں ہوتا۔ تو ایسا امر کرنا کب جائز ہوگا جس سے اصلی مقصد نماز فوت ہو۔

## جملہ اولی دلائل ارسالیئین

اب ہم یہان ادن دلائل شرعیہ کو لکھتے ہین جس سے اسکا اثبات کیا جاتا ہے کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنا چاہئے اور یہی سنت رسول اللہ ہے۔

اہلسنت کے یہان دلائل شرعی چار ہین۔ کتاب۔ سنت۔ اجماع۔ قیاس مگر اہلحدیث قیاس کے منکر ہین۔ اور اجماع مین بھی کلام ہے۔ مگر باانہمہ اوسکے قائل ہین لہذا انہین تینون دلیل سے ہمکو کام لینا پڑیگا۔

کتاب اللہ کے نسبت اہلسنت کا قطعی فیصلہ ہے کہ نماز کی نہ ہیئت اسمین

مذکور ہے نہ ارکان و فرض و سنن بلکہ انسب کا ماخذ قول یا فعل رسول اللہ ہے۔ مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہے اصل انکے یہان قول یا فعل صحابی ہے حالانکہ زبانی اس سے بھی انکار ہے کہ کہتے ہین قول فعل صحابی حجت نہین۔ مگر جس مسئلہ مین دیکھا جائے اصل الاصول انکا یہی ہے کہ قول یا فعل صحابی ہے مگر تاہم آیہ افنجعل المسلمین کالمجرمین بتارہا ہے کہ مسلمانون کی شان مثل مجرمون کے نہونا چاہئیے۔ اب خود غور کر لیجئے کہ ہاتھ باندہنے مین کیا شان پیدا ہوتی ہے آیا وہ کالمجرمین بنتے ہین یا نہین۔

دوسرے آیہ فاستقم کما امرت ہدایت کرتا ہے استقامت کی۔ اور استقامت ظاہری حالت صلوٰۃ مین ارسال یدین سے حاصل ہوتا ہے نہ ہاتھ باندہنے سے لہذا ارسال افضل ہے قبض ید سے کیونکہ خداوند عالم لج ہونے کی مذمت کرتا ہے والذین یبغونہا عوجا

ان آیات سے اگرچہ فقہانے ہاتھ کھولنے پر استدلال نہین کیا ہے۔ لہذا مین بھی اس سے استدلال نہین کرتا مگر اہل فہم کو اسطرف اشارہ کرتا ہون کہ وہ غور کرین

احادیث عمدہ ادلہ فریقین کل احکام شرعیہ مین حدیث ہے کیونکہ احکام قرآن مجمل ہین اور احادیث مین اوسکی تفصیل ہے جس سے فریقین استدلال کرتے ہین اور احکام فقہیہ کو ثابت

کتب احادیث اہلسنت مین نہ کوئی قول رسول اس بارے مین ہے نہ فعل رسول۔ اور جو حدیث کہ حضرت کی طرف منسوب ہے اوسکی حقیقت دوسرے جلد مین دکھائی جائیگی۔ لہذا یہان صرف علوث

صحابہ پیش کیے جاتے ہیں جو عمدہ اصول دین اہلسنت ہے کیونکہ قول و فعل صحابہ کے مقابل میں اونکے نزدیک نہ قول خدا قابل اعتبار ہے۔ نہ حدیث رسول مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

من كان يرسل يديه في الصلوة حدثنا هشيم عن يونس عن الحسن ومغيرة عن ابراهيم انهما كانا يرسلان ايديهما في الصلوة - ثنا عفان ثنا يزيد بن ابراهيم سمعت عمرو بن دينار كان ابن الزبير اذا صلى يرسل يديه ثنا ابن علية عن ابن عون عن ابن سيرين انه سئل عن الرجل يمسك يمينه بشماله قال انما فعل ذلك من اجل الدم ثنا عمر بن هرون عن عبد الله بن يزيد قال ما رايت ابن المسيب قابضا يمينه في الصلوة كان يرسلهما ثنا يحيى بن سعيد عن عبد الله بن العيزار قال كنت اطوف مع سعيد بن جبير فراى رجلا واضعا احدى يديه

(باب) اون لوگون کا بیان جو ہاتھ اپنے کھولتے تھے نماز میں ہشیم یونس سے وہ حسن سے اور مغیرہ سے وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہین کہ وہ دونو نماز مین ہاتھونکو کھول دیتے تھے عفان یزید بن ابراہیم سے روایت کرتے ہین کہ سُنا مینے عمرو بن دینار کو کہ ابن الزبیر جب نماز پڑھتے تو اپنے دونو ہاتھ کھول دیا کرتے۔ ابن علیہ ابن عون سے ابن سیرین سے روایت کرتے ہین کہ اونسے سوال کیا گیا اس بارہ مین کہ داہنا ہاتھ پکڑین بائین ہاتھ سے تو کہا یہ نہین کیا تہا مگر بسبب خون کے عمر بن ہرون عبد اللہ بن یزید سے روایت کرتے ہین کہ کبھی مینے ابن المسیب کو داہنا ہاتھ پکڑتے ہوئے نہ دیکھا نماز

علی الاخری ہذہ علی ہذہ او ہذہ علی ہذہ فذہب نفرق بینہما ثم جاء۔

ہیں وہ دونو ہاتھ پھیلا دیتے تھے یحیی بن سعید عبد اللہ بن عزار سے روایت ہے کہ میں ایکدفعہ سعید بن جبیر کے ساتھ طواف کر رہا تھا ایک آدمی کو اونھوں نے دیکھا کہ یہہ ہاتھ اسپر رکھے ہیں (داہنا بائیں پر) یا یہہ اس ہاتھ پر (بایاں داہنے پر) تو وہ گئے اور دونو ہاتھون کو اوسکے جدا کیا پھر واپس آئے۔

ان احادیث میں ایک حدیث عبد اللہ بن زبیر کی ہے جو خود صحابی ہیں اور حضرت زبیر صحابی کے فرزند اور حضرت عائشہ کے بھانجے حضرت اسما کے فرزند جو سب صحابی ہیں حضرت ابوبکر کے نواسے جو خود مکہ معظمہ میں مدتوں خلیفہ اہلسنت رہے۔ اور اہلسنت اونکو نہایت عابد و زاہد مانتے ہیں۔ اونکا فعل اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھا کرتے۔

انکی وفات ۷۳ھ میں ہوئی کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے پھانسی دیا۔ اور مقبرہ یہود[1] میں خاص مکہ میں مدفون ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ تک ہاتھ کھولنے کا رواج تھا۔ کیونکہ اہلسنت یہ کہہ نہیں سکتے اونکا یہہ فعل خود رائی سے تھا کہ اپنے دل سے جسطرح چاہتے نماز پڑھتے

[1] اسماء الرجال مشکوٰۃ عبد الحق دہلوی میں ہے ووقف ابن عمر علیہ فقال السلام علیک یا ابا خبیب السلام علیک یا ابا خبیب اما واللہ لقد کنت انہاک عن ہذا قالہا ثلاثا اما واللہ لقد کنت ما علمت صواما قواما وصولا للرحم فبلغ الحجاج موقف عبد اللہ فارسل الیہ فانزلہ عن جذعہ فالقی فی قبور الیہود ۱۲ منہ قلمی

بلکہ لامحالہ یہی کہنا پڑیگا کہ رسول اللہ کو اور خلفائے ثلثہ اور اپنی خالہ جان و ناجان کو یونہی نماز پڑہتے دیکھا تھا۔ اسلئے اسیطرح پڑہا کرتے۔

محمد بن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ سعید بن جبیر المتوفی ۹۵ھ حسن بصری المتوفی ۱۱۰ھ سے بھی یہی منقول ہے کہ وہ سب کے سب نماز ہاتہہ کہول کر پڑہا کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ عام طور سے صحابہ و تابعین کا یہی معمول تھا کہ وہ نماز ہاتہہ کہول کر پڑہتے۔

انکے نسبت کون شخص اہلسنت سے یہ گمان کر سکتا ہے کہ یہ فعل اونکا اپنی طبیعت اور رائے سے تھا بغیر اسکے کہ سنت رسول یہی تھی اور حضرت اسیطرح نماز پڑہا کرتے۔ اسلئے یہ لوگ بھی اسی طرح پڑہتے۔ کیونکہ یہ لوگ معمولی اشخاص نہیں ہیں انکے اقوال و احادیث پر بنائے مذہب اہلسنت ہے۔ ابن سیرین جنکا نام محمد ہے اونکے نسبت شیخ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب اسماء الرجال میں لکھتے ہیں۔

محمد بن سیرین ابوبکر البصری احد الاعلام کان فقیہا عالما فاضلا زاھدا ورعا محدثا من مشاھیر التابعین واجلتہم ثقۃ حجۃ حافظ متقن یعبر الرویا کثیر العلم والورع کثیر الصمت لہ سبعۃ اوراد باللیل لقی صدرا کثیرا من الصحابۃ قال ھشام ادرک من اصحاب النبی ثلثین نفسا واشتہر بفنون علم الشریعۃ وکان من اورع اھل البصرۃ و سمع ابن عمر۔ و انس و عمران بن حصین۔ و ابی ھریرۃ و زید بن ثابت و من سواھم۔ مات سنۃ عشرۃ و مائۃ بعد الحسن

بمابہ لیلہ وھو ابن سبع وسبعین سنۃ ص۳۶ النسخۃ قلمی

اور سعید بن جبیر کی نسبت رقمطراز ہیں۔

سعید بن جبیر بضم الجیم وفتح الموحدۃ وسکون التحتانیہ بن هشام الاسدی الوالبی بالواو وکسر اللام مولی بنی والبہ بطن من اسد بن خزیمہ نسبۃ الی والبہ بن عمر بن الحارثہ کوفی من اعلام التابعین سمع ابا مسعود وابن عباس وابن عمر وابن الزبیر و انسا واکثر روایتہ من ابن عباس وقرء علیہ علم التفسیر والقراءۃ وھو فی القراءۃ مہارۃ تامۃ حتی انہ یروی انہ اتم فی رمضان وقرء فی کل لیلۃ بغیر قراءۃ قرءہا فی الاخری وروی عنہ الاعمش وعمر بن دینار وابو ایوب وابو بشر وغیرہم۔ قتلہ الحجاج بن یوسف فی شعبان سنۃ خمس وتسعین ۹۵ ولہ تسع واربعون ص۶۰ قلمی

اور امام حسن بصری کے نسبت لکھتے ہیں۔

الحسن البصری ھو الامام ابو سعید الحسن بن ابی الحسن واسم ابی الحسن یسار البصری بفتح التحتانیۃ وتخفیف السین من سبی میسان بفتح المیم وسکون التحتانیۃ وبالسین المہملۃ وکان الحسن مولی زید بن ثابت وقیل مولی جمیل بن قطبہ وقیل غیر ذلک ولد لسنتین بقیتا من خلافۃ عمر بن الخطاب بالمدینۃ وقدم البصرۃ بعد مقتل عثمان ورای عثمان وسمع منہ وقیل انہ لقی علیا بالمدینۃ فاما بالبصرۃ فان رویتہ ایاہ لم یصح لانہ کان فی وادی القری متوجہا نحو البصرۃ حتی قدم علی بن ابی طالب

ویقال لقی طلحة وعائشة ولم یصح له منهما سماع وروی عن غیرهما
من الصحابة مثل ابی بکرة الثقفی وانس بن مالک وسمرة بن جندب
وعمران بن حصین وابی موسیٰ وابن عباس وجندب وروی
عنه خلق کثیر من التابعین کان کبیر الشان رفیع الذکر راسًا
فی العلم وهو امام وقته فی کل فن وعلم وزهد وورع وعبادة ومات
فی رجب سنة عشر ومائة کذا فی جامع الاصول والکاشف من قلمی

خلاصہ حکایہ ہے کہ سعید بن مسیب ایک ہین اعلام سے فقیہ۔ عالم۔ فاضل۔ زاہد و ورع۔ محدث تھے مشاہیر واجلہ تابعین سے ثقہ ہین حجت ہین۔ حافظ ہین۔ متقن ہین خواب کی خوب تعبیر دیتے کثیر العلم تھے۔ ورع تھے بہت سے اصحاب نبی سے انکی ملاقات ہوئی ابن ہشام کہتے ہین کہ تیس صحابی سے انہون نے ملاقات کی۔ اور علوم شریعت مین بہت مشہور ہوئے۔ ابن عمر۔ انس۔ عمران بن حصین۔ ابوہریرہ۔ زید بن ثابت وغیرہ صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے ہین۔ تو پھر کون گمان کرسکتا ہے کہ انکا ہاتھ کھولنا نماز مین اپنی خواہش نفس سے تھا۔ ہر شخص بالیقین کہیگا کہ ان صحابہ کو انہونے اسطرح نماز پڑھتے دیکھا لہذا خود بھی اسیطرح پڑھتے سنہ ۱۱۰ وفات ہے تو اس زمانہ تک عام رواج ہاتھ کھولنے کا معلوم ہوا۔

سعید بن جبیر بھی اعلام تابعین سے ہین۔ ابی مسعود۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ ابن الزبیر۔ انس سے روایت کرتے ہین اور اکثر علوم انکا حضرت ابن عباس سے ماخوذ ہے۔ ماہ رمضان مین یہ ایکدفعہ امام مقرر ہوئے تو ہر رات قرآن کو نماز

مین یہی قرات سے پڑہتے تھے راستے اعمش عمر بن دینار ابوالوب ابو بشر
وغیرہ بروایت کرتے ہین حجاج نے ۹۵ھ مین قتل کیا انکو اسدرجہ مبالغہ تھا
کہ اگر کسیکو ہاتھہ باندہتے دیکھتے تو جاکر اوسکا ہاتھہ کھولدیتے۔

حسن بصری اکے اوصاف کی ضرورت نہین خلافت خلیفہ دوم مین پیدا ہوے
عثمان کی خدمت مین پہونچے اور حدیث بہی اونسے لی اور بہت سے صحابہ سے
ملاقات کی اور علم ادب کا اونسے حاصل کیا۔ اپنے وقت کے ہر فن مین
امام تھے علم زہد عبادت تقوی سنہ ۱۱۰ھ وفات ہے۔

تو اب کون شخص اہلسنت سے کہسکتا ہے کہ یہ لوگ جو نماز ہاتھہ کھولکر
پڑہتے تو بدعت کرتے یا خلاف سنت جس سے خواہی نخواہی ماننا پڑیگا کہ
ہاتھہ باندہکر نماز پڑہنا بدعت ہے کہ سعید بن جبیر اگر کسیکو ہاتھہ باندہکر
نماز پڑہتے دیکھتے تو دوڑ کر اوسکا ہاتھہ کھولدیتے فماذا بعد الحق الا الضلال

اجماع یہ تیسری دلیل ہے اہلسنت کی جس سے کسی مسئلہ شرعی کی
صحت ثابت کیجاتی ہے۔ اسی اجماع مین عمل اہل مدینہ بھی داخل ہے
جس سے امام مالک نے اپنا یہ مذہب قرار دیا کہ ہاتھہ کھولکر نماز پڑھنا
چاہیئے۔

چنانچہ علامہ محمد معین لاہوری جو تلامذہ شاہ ولی اللہ دہلوی سے ہین
اور علمائے اہلحدیث کے مشہور افراد سے ہین اپنی کتاب دراسات
اللبیب مین لکھتے ہین مطبوعہ لاہور سنہ ۱۲۸۴ھ ص ۳۴۰

وثانیہا ان عمل اہل المدینۃ المقدسۃ دوسرے یہ کہ عمل اہل مدینہ مہرے

على ساكنها افضل الصلوة
والتسليمات من اقوى حجج الدين
عندنا ويرى الامام فيما طريقه
النقل من ذلك على ما يرى
الامام الاكبر عالم المدينة
مالك بن انس الاصبحي من
ان اجماع اهل المدينة
المطهرة حجة حتى انه عولت
علماء مذهبه في ارسال اليدين
حالة القيام في الصلوة على
عمل اهلها مع وجود المرفوع
الصحيح في قبض اليمنى على
اليسرى وحملوه على الحاجة
عند طول القيام وحصروه
بها بدليل عمل اهلها كما يخص
الحديث الصحيح بحديث آخر
مثله ولا يجوز ذلك التخصيص
وارتكاب خلاف الظاهر
بزى محمد من علماء القبض
وان سدو مطرفو ابن
الماجشون عن مالك
انه استحسنه لكن روى ابن

نزدیک قوی ترین حجتون سے دین
کے ہے۔ اور اس مسئلہ مین میری رائے
مطابق ہے امام اکبر عالم مدینہ مالک
بن انس اصبحی کے کہ وہ قائل تھے اس
بات کے کہ اجماع اہل مدینہ مطہرہ
حجت ہے یہانتک کہ علماے مالکی نے
اسی دلیل پر اعتماد کیا ہے دربارہ ہاتھ
کھولکر نماز پڑہنے کے۔ کہ چونکہ اہل مدینہ
کا یہی عمل تہا لہذا اونہون نے۔ اسی کو
اپنا مذہب بنایا حالانکہ حدیث صحیح
مرفوع اس مادہ مین موجود ہے کہ
داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر رکہنا چاہیے
(اس حدیث کا حال دوسرے جلد
مین ملاحظہ فرمائیگا) اور اونہون نے
یعنی مالکیون نے اس حدیث کو محمول
کیا ہے ضرورت اور حاجت پر کہ اگر
بوجہ طول قیام ہاتھ بھرجاے تو ہاتھ
باندہ لے۔ اور اس تخصیص کی دلیل
اونکے پاس یہی عمل اہل مدینہ

القاسم عن مالک الارسال
وصار الیه اکثر اصحابه وروی
عنه اباحة القبض فی النافلة
لطول القیام وکره فی الفریضة
قال ابن الحاجب ان ذلک
حیث تمسک معتمد القصد
الراحة نقله الزرقانی فی
شرح الموطا قال ابن عبد البر
ان القبض لم یات عن النبی
صلی اللہ تعالی علیه وسلم
فیه خلاف وهو الذی
ذکره مالک فی الموطا ولم
یحک ابن المنذر وغیره
انتهی
وانت قد علمت ما ذکره
غیر ابن المنذر عنه وقوله
وهو الذی ذکره مالک
فی الموطا اراد منه ان ذکره
فی الموطا یدل علی کونه
مذهبا له فهو استدلال
ضعیف فان العلم محیط
بصنیعه فی الموطا من انه
ربما یروی فیه ما یخالف
مذهبه کما فعل فی قنوت

جسطرح ایک حدیث دوسری حدیث
سے خاص کردی جاتی ہے۔ اور
نہین جائز ہے تخصیص اور ارتکاب
خلاف ظاہر کسی کے نزدیک علماء
سے اپنی راے سے (لہذا معلوم ہوا
کہ یہ تاویل مالک براے نہین ہے)
ہان مطرف اور ابن ماجشون نے
امام مالک سے اسکی روایت بھی کی ہے
کہ وہ ہاتھ باندھنے کو مستحسن سمجھتے
تھے۔ مگر ابن قاسم نے امام مالک سے
ارسال ہی کی روایت کی ہے (کہ
وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے) اور
یہی مذہب ہے اونکے اکثر اصحاب کا۔
اور ہاتھ باندھنے کے بارہ مین صرف
اسقدر منقول ہے کہ امام مالک اسکو
جائز جانتے تھے نماز نافلہ مین بسبب
طول قیام کے اور فرض نمازون
مین مکروہ جانتے تھے۔
کہا ابن حاجب نے کہ یہ ہاتھ باندھنا اوسوقت

الصبح حيث اقتصر فيه
على اثر ابن عمر رض فعدم جواز
مع ان القنوت في الصبح هيئة
الثابت عنه وان اراد ان
ما ذكره من اثر ابن عمر حجة
عليهم فجوابه ان اثر ابن
عمر لا يعارض عمل اهل المدينة
بل قد اشرنا ان حديث سهل
في رفع القبض المروي في
صحيح البخاري لا يرد حجة
عليه لعمومه وعلى صحابة حيث
تمسكوا بعمل اهل المدينة
والارسال هذا المنفرد
مالك فقد جاء فيه الآثار
عن سلف التابعين روى جملة
من ذلك الامام ابو بكر
بن ابي شيبة في مصنفه وفيه
اثر عن عبد الله بن زبير حيث
رواه في المصنف بسنده
فقال حدثنا عفان قال
حدثنا يزيد بن ابراهيم
قال سمعت عمرو بن دينار
قال كان ابن الزبير اذا صلى

نوافل میں جائز ہوگا کہ جب بغرض راحت
ہو (یعنی وہ بھی بلا ضرورت نہیں جائز
ہے) جیسا کہ نقل کیا ہے زرقانی نے
شرح موطا میں۔

کہا ابن عبد البر نے کہ ہاتھ باندھنے کے
بارہ میں کوئی حدیث خلاف اسکے حضرت
سے نہیں منقول ہے اور اسکو ذکر کیا
ہے مالک نے موطا میں اور ابن
منذر وغیرہ نے اسکے خلاف نہیں نقل
کیا ہے مالک سے

مصنف لکھتے ہیں مگر تو جانتا ہے کہ غیر
ابن المنذر نے کیا روایت کی ہے۔
(ارسال) اور یہ جو کہا کہ مالک نے
اسکو ذکر کیا ہے موطا میں اگر اس سے
یہ مراد ہے کہ یہی انکا مذہب ہے تو یہ
استدلال ضعیف ہے کیونکہ اہل
علم جانتے ہیں کہ امام مالک موطا میں ایسی
روایتیں بھی لاتے ہیں جو انکے مذہب
خلاف ہوتی ہیں جیسا کہ قنوت صبح

میں مبل بدیہ میں اونہوں نے ابن عمر کی روایت
لکھی کہ نہیں جائز ہے حالانکہ سبکو معلوم ہے کہ مالک مذہب قنوت
ہے نماز صبح میں جو ثابت ہے اونسے۔

اور اگر ابن عبد البر کا یہ مقصود ہے کہ اثر ابن عمر حجت ہے مالک پر
تو اوسکا جواب یہ ہے کہ روایت ابن عمر معارض عمل اہل مدینہ نہیں
ہو سکتی بلکہ ہنے تو اوسکی طرف بھی اشارہ کیا کہ حدیث سہل
جو صحیح بخاری میں مروی ہے درباره ہاتھہ باندہنے کے وہ بھی
اونپر حجت نہیں ہے بوجہ عموم اپنے۔ اور نہ اونکے اصحاب پر حجت ہے
کیونکہ تمسک اونکا بعمل اہل مدینہ ہے وجود رایت ہے۔ اور یہ
روایت)

اور یہ مذہب ارسال یدین ایسا مذہب ہے کہ صرف مالک ہی
اسکے ساتھ نہیں منفرد ہوئے ہیں بلکہ بہت سی روایتین ایمین سلف صحابہ و
تابعین سے آئی ہیں جنھیں امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف
مین ذکر کیا ہے۔ (مین ان سبکو پہلے لکھ چکا ہون) اونمین عبد اللہ
بن زبیر سے روایت ہے جسے مصنف نے اپنی سند سے روایت کیا ہم
عفان سے کہ کہا حدیث کی مجھسے یزید بن ابراہیم نے کہ کہا سنا مینے
عمرو بن دینار کو کہ تھے ابن الزبیر جب نماز پڑہتے تو ہاتہون کو
چھوڑ دیتے۔ (تمام ہوا ترجمہ)

اس عبارت سے بدیہی طور پر ظاہر ہوا کہ امام مالک کا یہی

مذہب تھا کہ وہ نماز میں ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے - اور اونکی دلیل یہ
کہ عمل اہل مدینہ یونہی تھا کہ وہ ہاتہہ کہولکر نماز پڑہا کرتے -
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ حدیث مرفوع اسکے خلاف موجود ہے
جسمین اسکا حکم ہے کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتہہ پر رکہنا چاہیے - مگر اسپر
بھی امام مالک کا مذہب یہی تھا کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنا چاہیے کیونکہ
وہ کہتے تھے اس حدیث کے یہ مطلب ہیں کہ بوقت ضرورت ہاتہہ
باندہنا چاہیے - اسلیے کہ عمل اہل مدینہ یہی ہے کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑ
تو اب یہ حدیث خاص ہوئی بوقت ضرورت -

علمائے اہلسنت نے اگرچہ اسمین اختلاف کیا ہے کہ عمل اہل مدینہ
حجت ہے یا نہیں - مگر اس سے کسیکو انکار نہیں کہ اہل مدینہ کا عمل یہی
تھا کہ وہ ہاتہہ کہولکر نماز پڑہا کرتے جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ
یہ عمل اونکا مطابق عمل رسول اللہ صلعم تھا کہ حضرت کو سنے یونہی نماز
پڑہتے دیکھا تھا لہذا وہ بھی اسیطرح پڑہا کرتے -

تو اب اسکے خلاف عمل کرنا دیدہ و دانستہ اپنی نماز کو مخالف عمل
رسول اللہ بنانا ہے کیونکہ اسکو تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اہل مدینہ
کا عمل خلاف عمل رسول تھا -

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمامی صحابہ و تابعین کا عمل یہی تھا کہ وہ ہاتہہ
کہولکر نماز پڑہا کرتے کیونکہ امام مالک اسکو عمل اہل مدینہ کہتے ہیں -
اور عمل اوسیوقت کہا جاسکتا ہے کہ سبکا یہی عمل ہو بلا اختلاف

کیونکہ درصورت اختلاف عمل اہل مدینہ نہین کہسکتے بلکہ عمل بعض
اہل مدینہ
تواب بدیہی طور سے معلوم ہوا کہ عمل اہل مدینہ زمانہ امام مالک تک
بلا اختلاف یہی تھا کہ ہاتہہ کہولکر نماز پڑہتے تہے
اسی استدلال امام مالک سے اوس حدیث کی بہی حالت ظاہر
ہوئی جو ہاتھہ باندہنے کے بارہین روایت کی جاتی ہے کہ وہ کیسی روایت
ہوگی کیونکہ اس روایت کی موجودگی پر بہی صحابہ اور سائر اہل مدینہ
کا یہی عمل تھا کہ وہ ہاتہہ کہولکر نماز پڑہتے۔ تواب دوہی احتمال ہوسکتا
ہے ایک یہ کہ معاذ اللہ تمامی صحابہ اور اہل مدینہ عمل رسول کے خلاف
کرتے تہے۔ کہ حضرت ہاتہہ باندہ کر نماز پڑہنے کا حکم دیتے اور یہ اوسکے
خلاف عمل کرتے یہ احتمال ایسا بعید ہے کہ مین نہین کہسکتا کوئی بہی
اسکا دعوی کرسکے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ روایت قبض یدین
یعنی ہاتہہ باندہنے والی روایت ضعیف بلکہ موضوع ہے جیسا کہ
آیندہ مذکور ہوگا انشاء اللہ۔ کیونکہ یہ عمل احکام نماز سے ہے نہ امور
دنیوی سے جو یہ کہا جائے کہ اسمین متابعت حکم رسول ضروری نہین
یا یہ کہا جائے کہ عمداً دیدہ و دانستہ خود غرضی سے حکم رسول کی مخالفت
کی گئی۔ بلکہ یہ تو احکام ہیئت صلوۃ سے ہے جسمین ہر اشخص محکوم ہے
کہ حضرت کا اتباع کرے اور کوئی اسکا مجاز نہین کہ حضرت کی مخالفت
کرسے۔

اگرچہ بعد اس دلیل کے کہ عمل اہل مدینہ ثابت ہو ایہی تھا کہ وہ ہاتھ
کھول کر نماز پڑھا کرتے کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔
کیونکہ اہل مدینہ میں سب داخل ہیں خواہ صحابی ہوں۔ یا تابعی۔ مگر
مصنف نے خاص ابن الزبیر کا طرز عمل یہی دکھلایا کہ اونکا یہی
معمول تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے۔ اور تابعین کا کیا ذکر کہ
وہ سب تو تابع صحابہ ہیں۔

میرے خیال ناقص میں عبد اللہ بن زبیر کے ذکر کی ضرورت
بالتخصیص یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ کبھی معرض اختلاف
میں نہیں آیا تھا بلکہ سب کا یہی معمول تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے
لہذا کسیکو اس طرف کبھی التفات بھی نہوا کہ نماز کیونکر پڑھی جاتی
ہے کیونکہ یہ تو ایک معمولی بات تھی۔ جب اس اختلاف کی بنیاد
پڑی تو عمرو بن دینار نے اپنی اس تازہ یاد کو بیان کیا کہ ابن
الزبیر ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے ورنہ سارے اہل مدینہ کا یہی قاعدہ
تھا کہ وہ اسیطرح نماز پڑھا کرتے۔

دوسری وجہ اسکی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ ابن الزبیر خلیفہ بھی
تھے اور خاص مکہ میں اونکی خلافت ہوئی تھی۔ اور حضرت ابو بکر
کے نواسہ تھے۔ اور حضرت عائشہ کے تربیت یافتہ اسلئے انکا عمل
زیادہ قابل وثوق اور اعتماد تھا۔ اور پھر وہ نہایت عابد بھی مشہور
تھے لہذا عمرو بن دینار نے اونکے فعل سے استناد کیا کہ اونکا

عمل اس مورد مین کسی طرح قابل شک یا اعتراض نہین ہو سکتا۔ پس اونکے اس طرز عمل نے بتا دیا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑہنا نہ صرف لوگونکے علم کے مطابق تھا بلکہ یہی عمل وہ اپنے آبا و اجداد و امہات کا دیکھ چکے تھے جس سے پھر کوئی گمان بھی نہین کر سکتا کہ اونکی نماز اوس طریقہ کے خلاف ہوگی جو حضرت ابوبکر و حضرت عائشہ و اسماء و زبیر کے خلاف ہو۔ اور چونکہ مینے اسکے قبل وہ روایتین بھی لکھدی ہین جو حسن البصری۔ اور سعید بن المسیب۔ سعید بن جبیر وغیرہ تابعین سے مروی ہین لہذا بخوبی ظاہر ہوا کہ عمل اہل مدینہ وغیرہ یہی تھا۔

علامہ محمد معین مصنف دراسات اللبیب ص ۲۰۲ کے بعد لکھتے ہین۔

والعجب كل العجب من مثل الشيخ الدهلوي حيث يقول في شرح السفر الدليل للارسال مطلقا رفعا واثرا ويقول سالت في الحجاز عن ذلك بعض علماء المالكية فلم ياتوا بشيء سوى انه خطائي ذكروا مما لا يلتفت اليه اهل العلم اصلا وعمل اهل المدينة المعظمة في ذلك عندي علمهم مذهبه اقوى من اثار التابعين والصحابة فيه صلى الله عليه وسلم

یعنی پورا تعجب ہے شیخ عبد الحق دہلوی سے جو شرح سفر السعادۃ مین لکھتے ہین کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنے کی کوئی دلیل نہین ہے مطلقا نہ حدیث مرفوع سے نہ اثر صحابہ سے اور لکھتے ہین کہ مینے حجاز مین بعض علماء مالکیہ سے سوال بھی کیا تو کوئی دلیل ایسی نہ لاسکے جو قابل التفات اہل علم ہو سوا اسکے اعمر

خطابی کے حالانکہ عمل اہل مدینہ معظمہ اس بارہین مالکیونکے نزدیک قوی تر ہے آثار تابعین وصحابہ سے۔ (تمام ہوا ترجمہ)

ہمارا مطلب اس عبارت سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کیونکہ اگرچہ بقول شیخ عبدالحق دہلوی کوئی دلیل قوی علماے مالکی نہ لاسکے مگر یہ تومعلوم ہوا کہ مذہب اونکا یہی تھا کہ ہاتھ کہول کر نماز پڑھا کرتے جس سے کسینے انکار نہین کیا بلکہ اوسپر دلیل لاے جو شیخ عبدالحق کے نزدیک قابل اعتماد نہو۔

یعنی مقصود ہمارا بخوبی ثابت ہوا کہ امام مالک کا یہی مذہب تھا اور اوسکی دلیل اونکے نزدیک بھی عمل اہل مدینہ ہے جو آثار صحابہ وتابعین سے بھی زیادہ قوی ہے۔

## نفی احادیث صحیحہ بوجہ عمل اہل مدینہ

عمل اہل مدینہ ایسی قوی دلیل ہے کہ ملامعین لکھتے ہین وظہر من ہذا ان مالکا واصحابہ یولون الاحادیث الصحیحۃ عن ظواہرہا ویترکون بہ اثار الصحابۃ کما یترکون بالمرفوع واما ترک الحدیث الصحیح لعملہم فیدل علیہ مذہب مالک فی عدم اجزاء صوم الولی عن المیت مع ورود الحدیث الصحیح قال القسطلانی فی شرح البخاری واجاب المالکیۃ عن احادیث الباب بدعوے عمل اہل المدینۃ انتہی یعنی عملہم بعدم الاجزاء ص ۲۲۳

یعنی جو حکایت ابن مسعود کی بیان کی ہے کہ اونہون نے اپنے

اجتہاد سے ایک فتویٰ دیا تھا جب مدینہ آئے اور وہاں لوگوں سے

دریافت کیا تو اپنی راے سابق سے عدول کیا- اس سے ظاہر ہوا

کہ امام مالک اور اونکے اصحاب تاویل کرتے ہین احادیث صحیحہ

مین جو خلاف عمل اہل مدینہ ہو- اور اس عمل اہل مدینہ کی بدولت وہ ترک

کرتے ہین اقوال صحابہ کو جیسا کہ ترک کرتے ہین حدیث مرفوع سے

رہا یہ امر کہ وہ ترک کرتے ہین حدیث صحیح کو عمل صحابہ سے- پس اوسکی دلیل

یہ ہے کہ مذہب مالک یہ ہے کہ ولی کا صوم میت کیطرف سے مجزی نہین ہے

حالانکہ حدیث صحیح اس بارہ مین وارد ہے کہا قسطلانی نے شرح صحیح بخاری

مین کہ مالکیون نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے

خلاف ہے یعنی وہ اسکو مجزی نہین مانتے

پس بالفرض اگر کوئی حدیث صحیح بھی ہاتھ باندہنے مین ہو- تو وہ حدیث

اسوجہ سے مردود ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے خلاف ہے- حالانکہ ہم آیندہ

چلکر بتاوینگے انشاء اللہ کہ حدیث صحیح اس بارہ مین کوئی نہین-

## مذہب شافعی بھی یہی ہے

علامہ مذکور لکھتے ہین وامام المطلبی الشافعی الدرۃ الفریدۃ من بحر

شرفها ثم يرد الله سبحانه به صدور المعيان بثلج العلوم من اهل

اهذ البيت المقدس رض فقد روى الشعرانى فى كتابه تلخيص

السنن للبيهقى المسمى بالمنهج المبين فى جمع ادلة المجتهدين عنه

بسنده عن الحروى عن يونس بن عبد الاعلى قال سمعت الشافعى

يقول كل حديث جاء من اهل العراق وليس له اصل في الحجاز فلا نقبله لعدم صحته عندنا) وان كان صحيحا نفسه (في نفس الامر لان الحجة بعد الثبوت) ومنه يخرج ان عمل اهل المدينة المقدسه يترك به الحديث الصحيح عند غيرهم مطلقا او عند اهل الكوفه بخصوصهم فان عملهم على شئ ورد بخلاف الحديث عند غيرهم لا يتصور الا باستفاء اصل ذلك عندهم والا لما وسعهم الخلاف ومن لم يقبل هذا الحديث المعارض لعملهم وجب عليه التمسك به وترك ماخالفه ووجه ذلك ان عملهم دليل قوى على وجود الحديث الصحيح في ذلك عندهم وحديثهم يترجح على حديث غيرهم عند هذين الامامين (مالك والشافعي) وفي هذا جواز الاعتماد على العلم الاجمالي بوجود الدليل الراجح مع وجدان الدليل المعارض بعينه وذلك مخصوص في عمل اهل المدينة المشرفة عندهما ص ۳۴۳

يعني امام شافعي کا عمل اس قاعده پر اس سے ظاہر ہے کہ شعرانی نے تلخیص سنن بیہقی میں روایت کیا ہے شافعی سے کہ وہ کہتے تھے جو حدیث اہل کوفہ کے ذریعہ سے وارد ہو۔ اور اوسکی کوئی اصل اہل حجاز میں نہو۔ تو ہم اوس حدیث کو نہیں قبول کرتے (کیونکہ وہ صحیح نہیں ہے) اگرچہ فی نفس الامر صحیح ہو (کیونکہ حجت بعد ثبوت ہے)۔
پس اس قول شافعی سے معلوم ہوا کہ اگرچہ کوئی حدیث صحیح ہو غیر

غیر اہل مدینہ کے نزدیک مطلقاً یا اہل کوفہ کے نزدیک خصوصاً۔ تو وہ حدیث بوجہ مخالفت اہل مدینہ رد کر دی جائیگی۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا عمل اہل مدینہ مخالف ہو کسی صحیح حدیث سے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ حدیث ہی صحیح نہیں ورنہ وہ اسکی مخالفت کیونکر کرتے۔

اور جب یہ حدیث جو معارض عمل اہل مدینہ ہے قابل قبول نہیں۔ تو عمل اہل مدینہ کے ساتھ ترک ضروری ہوا اور اوسکے خلاف کا ترک کرنا۔ کیونکہ اونکا عمل اس بارہ میں دلیل قوی ہے اسپر کہ کوئی حدیث صحیح اونکے نزدیک ہے۔ اور اہل مدینہ کی حدیثیں قابل ترجیح ہیں مالک وشافعی کے نزدیک دوسروں کی حدیث پر

پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ عمل اجماعی بوجود دلیل راجح کافی ہے اگرچہ خلاف اوسکے دلیل پائی بھی جائے۔ اور یہ مخصوص ہے عمل اہل مدینہ کے ساتھ مالک وشافعی کے نزدیک اھ

اس عبارت نے بتا دیا کہ عمل اہل مدینہ بجائے خود ایسی قوی اور مستحکم دلیل ہے کہ اسکے مقابلہ میں نہ حدیث صحیح کا اعتبار رہتا ہے نہ آثار صحابہ و تابعین کا۔ امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

بلکہ اسکی بھی تصریح کر دی کہ اگرچہ اہل مدینہ کے پاس کوئی حدیث ظاہری نہ بھی ہو تو اونکا عمل کافی ہے۔ رد احادیث صحیحہ کے لئے کیونکہ اگر اونکے پاس کوئی دلیل نہوتی تو اسطرح عمل نہ کرتے لہذا معلوم ہوا

کہ جس حدیث پر اہل مدینہ کا عمل نہیں ہے وہ حدیث ہی صحیح نہیں اگرچہ فی نفس الامر صحیح بھی کیوں نہو۔

تو اب ہاتھ کھول کر نماز پڑہنا ایک ایسی قوی دلیل سے ثابت ہوا کہ اگر اسکے مقابلہ میں کوئی حدیث صحیح صریح بھی ہوتی تو وہ قابل قبول نہ تھی چہ جائیکہ فی الواقع کوئی حدیث صحیح بھی نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آخر امام شافعی بھی جواز ارسال ید کے قائل ہوئے کیونکہ سابقاً ہم لکھ چکے ہیں شافعی بھی ہاتھ کھولنے کو جائز بتاتے ہیں۔

## راے ملا معین

ملا معین مصنف دراسات اللبیب چونکہ فرقہ اہلحدیث ہیں لہذا وہ اپنی رای یوں ظاہر کرتے ہیں وعندی هذا الحکم بتقدیم عمل اهل المدینة المعظمة علی الحدیث الصحیح فی حدیث غیر الصحیحین بعد تدوینهما فان ما اخرجه الشیخان قد تلقتهما الامة بالقبول و من جملتها اہل سوادها علماء المدینة الطیبة ص ۲۴۳

یعنی میری راے میں یہ حکم تقدیم عمل اہل مدینہ معظمہ۔ حدیث صحیح پر۔ اوس حدیث کے متعلق ہے جو بعد تصنیف صحیحین خارج از صحیحین ہے۔ کیونکہ صحیحین کو امت نے قبول کر لیا ہے جسمیں علماء مدینہ بھی داخل ہیں۔

جسکے مطلب یہ ہوے کہ اصل مسئلہ مسلم ہے کہ عمل اہل مدینہ کے مقابلہ میں حدیث صحیح بھی قابل قبول نہیں۔ مگر اس حکم سے صحیحین مستثنی ہیں کہ انکی حدیثیں نہیں مردود ہونگی۔ بلکہ غیر صحیحین کی حدیثیں اگر عمل اہل مدینہ کے خلاف ہوں تو وہ مردود ہیں۔ اور یہ حکم بھی صحیحین کے لئے اسوجہ سے

نہین ہے کہ حدیثین اوسکی صحیح ہین - بلکہ اس وجہ سے کہ صحیحین کو امت نے قبول کرلیا ہے جسمین علماے مدینہ بھی داخل ہین - تو اس وجہ سی صحیحین کی حدیثین عمل اہل مدینہ سے نہ مردود ہونگی - اور باقی صحیح حدیثین سب مردود ہین "

ہمکو اس راے کی مخالفت یا موافقت سے چندان بحث نہین - کیونکہ یہ انکی ذاتی راے ہے جو بمقابل مذہب امام مالک و امام شافعی کوئی وقعت نہین رکھتی - اور نہ یہی ثابت ہے کہ علماے امت نے صحیحین کو قبول کرلیا کیونکہ جمہور علماے امت اسکے مخالف رہے ہین ائمہ اربعہ کے مقلدین نے بہت سی حدیثون کو نہین مانا اور بحر العلوم مولوی عبد العلی صاحب لکھنوی اپنے علما سے ناقل ہین کہ درمیان صحیحین اور غیر صحیحین کے کوئی فرق نہین جیسا کہ تنقید بخاری وغیرہ مین تصریح لکھ چکا ہون -

اور چونکہ صحیح بخاری کی تدوین ۲۵۶ھ مین ہوئی اور صحیح مسلم کی اسکی بھی بعد لہذا اوس سنہ تک بلکہ بعد بھی اوس زمانہ تک کہ اتفاق امت کے لئے درکار ہے - عمل اہل مدینہ کی یہ وقعت تھی کہ حدیث صحیح بھی اوسکے سامنے کوئی چیز نہ تھی - اور اوسکے بعد بھی جو کچھ اسکی عظمت ظاہر ہوئی تو اس وجہ سے کہ اہل مدینہ نے صحیحین کو قبول کرلیا تھا - ورنہ اگر وہ نہ قبول کرتے تو پھر بھی حدیث صحیح کا اوسکے مقابلہ مین کوئی اعتبار نہوتا - یہی وجہ تھی کہ آجتک مذہب مالکی یہی ہے کہ وہ ہاتھ

نماز پڑھتے ہیں۔

**اصل اجماع** ان سب تقریروں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑہنا
بہ اجماع اہل مدینہ ثابت ہے جسمیں تمامی صحابہ و تابعین و تبع تابعین
داخل ہیں۔ تو اب ہاتھ باندہ کر نماز پڑہنا مخالف اجماع ٹھہرا جو یقیناً باطل
ہے مطابق قواعد اہلسنت۔

**عظمت اجماع** کیونکہ اجماع ایک ایسی حجت شرعی ہے کہ اسکے
مقابلہ میں کوئی حجت حجت نہیں چنانچہ آپکو معلوم ہے کہ خود کتاب اللہ
جس سے بڑہکر کوئی حجت نہیں ہو سکتی محتاج اجماع ہے کہ جن آیات اور
سوروں پر اجماع ہوا وہ تو داخل قرآن کیا گیا۔ اور جسپر اجماع نہوا وہ
نہ داخل قرآن ہوا نہ قرآن مانا گیا۔ تو اب دوسری کونسی حجت شرعی
ایسی ہو سکتی ہے جو اجماع کے ہمسر ہو سکے۔ کیونکہ شرح مسلم الثبوت
میں ہے۔ الاجماع حجة قطعاً ویفید العلم الجازم عند الجمیع من
اهل القبلة ص ۲۱۳ جلد ۲ مطبوعہ مصر

جس سے معلوم ہوا اجماع حجت قطعی ہے کہ مفید علم یقین ہے تمامی اہل
قبلہ کے نزدیک بہ استثناء خوارج و شیعہ یہانتک کہ اجماع سے احکام
قرآن اور حدیث دونو باطل کر دئے جاتے ہیں۔

**حجیت اجماع اہل البیت علیہم السلام** واضح رہے کہ ایک خاص تقریر اس بارہ
میں لکھی گئی ہے جس سے اجماع اہلبیت
اطہار کی عظمت ثابت ہوتی ہے لہذا اوسکا ذکر بھی ضروری ہے۔

لکھتے ہیں۔
وما اعتقدہ حجیۃ اجماع
اہل بیت النبوۃ رضی اللہ تعالی
عنہم وعملہم وھو عندی وعند
کل منصف اقوی من عمل اہل
المدینۃ وذلک لان حجیتہ
لیس الا من حیث ان ما توارثہ
اہل بلد صاغرا عن کابر مستمرا
من غیر طریان تغیر علیہ یستند
عادۃ الی رئیس ذلک البلد
اذا کان معلوما باہتمام مراسم
خاصۃ فی ریاستہ وترویجہا
علی مرؤسیہ من اہلہ وذلک
فی توارث اہل بیتہ کذلک
واستنادہ الی رئیس البیت
وصاحبہم الذی یعلمہم
ویسوسہم مع شدۃ اعتناءہم
بالاتیان بما یامرہم واتباعہم
فی کل ما یفعلہ اقوی فی العادۃ
واثبت فی الحفظ فانہم اضبط
الاقوام لحالہ واعلم باقوالہ و
اعمالہم بل لا یصل الی اہل
البلد من رئیسہ کثیر شیء من

ہین اسکا بھی معتقد ہون کہ اجماع
اہلبیت علیہم السلام اور اونکا عمل
حجت ہے اور وہ میرے نزدیک بلکہ
ہر صاحب انصاف کے نزدیک قوی
تر ہے عمل اہل مدینہ سے کیونکہ عمل اہل
مدینہ اسوجہ سے حجت ہے کہ جو عمل
انمین بحیثیت توارث جاری ہے
کہ ہر چھوٹا اپنے بڑے سے اوسکو سیکھتا
چلا آیا اور بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل
کے اوسپر عمل کرتا آیا۔ تو یہ امور
عادۃً منسوب ہونگے رئیس بلد کی
طرف کہ یہ عادات و اطوار اوسی رئیس
سے لئے گئے ہین خصوصاً جب اوس
رئیس کے اہتمام سے بھی معلوم ہو کہ
اپنے مراسم خاصہ کی ترویج مین اوسکو
کوشش ہو کہ اپنی ریاست مین
اوسے جاری کرے اور رعایا سے
اوسکی پابندی چاہے تو بالیقین اون

ذلك الاصهاد من اهل بيته
لاسيما ويدخل في اهل بيته نساؤه
ايضا مع المذكور من اولاده
واقربائه وخدمهم ومواليهم
يحيطون باحوال داخل
البيت وخارجه وما نعني
من اهل بيت النبوة في
هذه المسئلة الا ما يشمل لنساه
صلى الله تعالى عليه وسلم و
ذكور بني هاشم والمطلب فاذا
اجتمعوا على شيء وتوارث ذلك
فيهم فهو عندي حجة سمعت
شانها وصفتها على ما ذكرنا هذا
بمجرد ما يعطي وحدة البيت
معه صلى الله تعالى عليه وسلم
وملازمة اهله حضرته من
الاطلاع على احواله واقواله
واعماله صلى الله تعالى عليه
وسلم والزائد على ما يعطي من
ذلك وحدة البلد معه
صلى الله تعالى عليه وسلم
وملازمة اهله اياه صلى الله
تعالى عليه وسلم فكيف اذا انضم

رعایا کے افعال واعمال سے معلوم
ہوگا کہ سب اوس رئیس کی ہدایت اور
تعلیم سے ہے ۔
اسی طرح اہلبیت کا توارث اور
اونکے افعال کی نسبت رئیس خاندان
کی طرف بدیہی ہے خاص کر جب معلوم
ہو کہ وہ افسر خاندان ہمہ وقت
کوشش کرتا ہے اسمین کہ اوسکے
خاندان کے لوگ اون آداب وقواعد
کو سیکھین اور نہایت اہتمام کرتا ہو
اسمین کہ وہ لوگ بجالائین اوسکے
کل اوامر ونواہی کو ۔ اور ہربات
مین اوسکی پیروی کرین ۔
تو ایسے امور جو اوس خاندان
مین جاری ہون وہ من حیث الدلالۃ
نہایت قوی اور محفوظ ہین کیونکہ یہ
لوگ اپنے بزرگ خاندان کے حالات
سے زیادہ واقف اور اقوال و
افعال مین زیادہ مطیع ہونگے اور

الی ذلک حدیث الثقلین
فیمن ورد منهم علی امر ممن
بیانه مما یکاد یثبت فی کل
واحد من علماء ائمتهم العصمة (اهل بیت)
فان لم یثبت فیه ففی کلهم
عند اجماعهم علی امر فان لم
یثبت العصمة راسا فغلبه
ظن الاصابة فی کل واحد فان
لم یثبت فیه ففی کلهم عند اجماعهم علی تارک وجه
ذلک فی اجماع من لم یرد فیهم نص مثله من
الشارع صلی الله تعالی علیه وسلم وانتم تقرون بذلک
کله فلا اقل من ان تؤمن بان
علمهم مما یرجح احد المتعارضین
من الاحادیث علی الآخر
کعمل اهل المدینة المنورة
ولهذا استموا مثل الحاکم
(ای الترجیح بعلمهم ۱۲)
ابی عبد الله و سلیمان الاعمش
ومحب الدین الطبری الرجال
الابطال من رؤساء علماء
السنة شیعة وقالوا صحیح
مسلم ملان من الشیعة ولما
قال مالک بحجیة عمل اهل المدینة
المطهرة لزمه القول بحجیة علمهم
لا سیما فیما اجتمع علیه الائمة

اونکے زیادہ ضابط ہونگے بہ نسبت
دیگر حضرات اہل شہر کے بلکہ حق
تو یہ ہے کہ اہل شہر کو بہت سے
حالات اور افعال وعادات
معلوم ہی نہ ہونگے مگر اونکے خاندان
کے ذریعہ سے۔ کیونکہ اونکو دیکھ کر
اہل شہر سمجھین گے کہ یہ امور ہمارے
رئیس کے افعال وعادات سے ہین
اور خاندان مین داخل ہین اونکی
عورتین بھی اور ذکور اونکے
اولاد اقربا سے اور خدم وموالی
اونکے کہ یہ سب محیط ہین احوال
داخل خانہ سے اور خارج خانہ سے
یہان ہم اہل بیت نبوۃ سے
معنی عام مراد لیتے ہین جو شامل ہو
نساء نبی کو اور ذکور بنی ہاشم و
عبد المطلب کو کہ جب وہ کسی امر پر اجماع
کرین اس حیثیت سے کہ وہ بحیثیت
توارث اونمین جاری ہو۔ تو

| | |
|---|---|
| اثنی عشر رضی اللہ تعالیٰ عنہم لما ذکرنا والحق حق وان لم یاخذ بہ احد۔ | دہ میرے نزدیک حجت ہے اور یہاں تو ہی حجت جسکی صفت اور شان تو سُن چکا۔ |

یہ جو کچھ مینے بیان کیا صرف وحدت بیت کا اثر ہے کہ صرف اہل (یک گھر مین رہنا ۱۲)
خاندان سے ہونے اور ہر وقت کے ساتھ رہنے اور ملازمت سے یہ ضرور ہے کہ اونکو حضرت کے اقوال و اعمال پر زیادہ اطلاع ہو بہ نسبت اونکے جو صرف ایک شہر مین حضرت کے ساتھ ہین اور نیز حضرت اہل وعیال وخاندان والون سے ملتے رہتے ہین (کیونکہ اگرچہ وہ بھی حضرت کے حالات سے بہ نسبت دوسرے شہر والونکے زیادہ مطلع ہوتے ہین۔ مگر خاندان والون کی اطلاع اس سے کہین بڑہی ہوتی۔)

چہ جائیکہ اس کے ساتھ حدیث ثقلین ملالی جائے جو اون حضرات اہلبیت طاہرین کے بارہ مین وارد ہے جس سے ہر واحد کی اون علمائے اہلبیت طاہرین سے عصمت ثابت ہے۔ اور اگر سبکی عصمت فرداً فرداً نہ بھی ثابت ہو۔ تو اجماع کی حالت مین تو سبکی عصمت ضرور ہی ثابت ہے جس سے اونکا اجماعی مسئلہ ضرور مسلم ہوگا۔

اور اگر ہم فرض کرلین کہ عصمت کسیکی ثابت ہی نہین ہوسکتی۔ تو یہ تو ضرور ثابت ہوگا کہ ایسے ہی شخص کے افعال و اعمال مین ظن غالب اصابت ہے کہ اونکے افعال و اعمال منفرداً بھی اور صواب ہونگے۔ اور اگر

ہم مان لیں کہ فرداً فرداً اصابت نہین ثابت ہوتی۔ تو سبکے اجماع مین
تو ضرور یہی اصابت ہوگی کہ اہلبیت کا اجماع بہ نسبت اور لوگونکے
زیادہ قوی ہوگا۔

کیونکہ انکے اجماع کے بارہین شارع ع کا نص موجود ہے جس سے اوسکی
عصمت ثابت ہے۔ اور اگر تم اسکا بھی اقرار نہ کروگے تو کم سے کم تمکو اسپر
ایمان لانا پڑیگا کہ اہلبیت طاہرین کا عمل ترجیح دیگا ایک حدیث کو
دوحدیث متعارض سے جسطرح کہ اہل مدینہ کا عمل ایک حدیث کو دوسری
حدیث پر ترجیح دیتا ہے۔ اور یہی ( الترجیح بعملھم ) باعث ہے
کہ امام حاکم ابی عبداللہ ۔ سلیمان اعمش ۔ اور محب الدین طبری
کو جو رجال الابطال اور روسا علمائے اہل سنت سے ہین۔ ان
لوگون نے شیعہ نام رکھا اور کہا کہ صحیح مسلم مملو ہے شیعو نسے
(یعنی چونکہ حاکم و اعمش و محب الدین طبری نے عمل اہلبیت طاہرین
سے استدلال کیا اسلئے وہ سب شیعہ کہدئے گئے اور یہین سے اسکی
وجہ بھی ظاہر ہوئی کہ صحیح مسلم کی کیون اسقدر وقعت نہین اسوجہ سے
کہ اوسکے راوی ایسے لوگ ہین بخلاف صحیح بخاری کے جسکے رواۃ تمام
خوارج ہین )

اور جب امام مالک قائل ہوئے اسکے کہ عمل اہل مدینہ حجت ہے تو
ضرور ہوا اونکو کہ وہ قائل ہون اسکے کہ عمل اہلبیت طاہرین بھی
حجت ہے۔ بالخصوص وہ عمل جسپر ائمہ اثنا عشر ع مجتمع ہون جیسا کہ

ہمنے ذکر کیا اور حق حق ہے اگرچہ کوئی اسکو نہ قبول کرے۔ دتمام ہوا ترجمہ

اس عبارت سے جہان حجیت اجماع اہلبیت طاہرین علیہم السلام کی معلوم ہوئی۔ ہان یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلسنت نے قصداً اقوال آئمہ علیہم السلام کو ترک کیا ہے جیسے خود ملا محمد معین دراسات اللبیب مین ان لفظون مین فریاد کرتے ہین فالفجیعة کل الفجیعة علی الامۃ ان خلت

الکتب المذاہب الاربعۃ عن مذہب اہل البیت رضی عنہم اجمعین ثم اذا وجد فیھا شئی من ذالک یعارض بمثل ھذا ولقد سبقت منا رسالۃ مفردۃ فی اسعاد الموضعین تکلمنا فیھا علی الثانی واستوفینا الکلام فی الجواب عن الامام الحق رض فلنکتف بہ ولنتکلم علی الاول فاعلموا ان آئمۃ الطاہرین رضی اللہ عنہم یحرمون الرای والقیاس ولھذا لما دخل ابو حنیفۃ علی جعفر بن محمد رض علی ما حکاہ الشعرانی فی اللواقح قال لہ بلغنی انک تقیس لا تقس فان اول من قاس ابلیس ص ۲۴۳

یعنی افسوس صد افسوس اس امت پر کہ ائمہ اربعہ کے مذہب کی کتابین خالی ہین مذہب اہلبیت رضی اللہ عنہم سے پھر اگر کوئی بات اونکے مذہب کی پائی بھی جاتی ہے ان کتابون مین تو ایسی باتوں سے اوسکا معارضہ کیا جاتا ہے حالانکہ مین ایک رسالہ خاص اس باب مین لکھ چکا ہون کہ جسمین پورا جواب دیا ہے امام بحق جناب امام حسن کی طرف سے اوسی پر اکتفا کرتا ہون اور کہتا ہون کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام حرام جانتے تھے

قیاس اور رائے کو یہی وجہ ہے کہ جب ابوحنیفہ خدمت جناب امام جعفر صادق
مین حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا مینے سنا ہے تو قیاس کرتا ہے۔ قیاس نہ کر
کہ پہلا قیاس کرنیوالا شیطان ہے۔

بہرحال ہمارا مقصود یہان نہ قدح ابوحنیفہ ہے نہ اسکی شکایت کہ
حضرات اہلسنت نے ائمہ طاہرین کی متابعت کیون ترک کی کیونکہ قیامت
یقینی ہے۔ اوسروز خداوند قہار خود انسے سوال کریگا۔ اور یہ جواب دینگے
ہمارا فرض تو صرف یہ ہے کہ لکھدینگے ولی دین عمل کرین۔
ہان انسانی ہمدردی۔ اسلامی اخوت مجبور کرتی ہے کہ راہ حق کو واضح
کرین اور حجت کو تمام کرین کہ دیکھو خدانے تمکو کیا حکم دیا ہے اوسکے رسول
نے کیا بتایا ہے اوسکے جانشین اور خلفانے کیا سکھایا ہے کہ کسطرح نماز
پڑھو ہاتھ کہول کر یا باندھ کر کیونکہ ابھی تم دیکھ آئے اور پڑھ آئے کہ اون
حضرات کا عام قاعدہ یہی تہا کہ نماز ہاتھ کہولکر پڑہین اور تمامی صحابہ وتابعین
و تمامی اہل مدینہ کا جو ہر وقت حضرت کی خدمت مین رہتے اور آپکو نماز
پڑھتے دیکھتے۔ اونکا یہی عمل تہا۔

چونکہ ملا محمد معین نے آئمہ اطہار علیہم السلام کی طرف ضمناً اسکی نسبت
کی ہے کہ وہ حضرات نماز ہاتھ کہولکر پڑہا کرتے اسلئے ایک حدیث فروع کافی
کی بھی یہان لکھتا ہون جس سے معلوم ہو کہ واقعاً اون حضرات کا یہی
معمول تھا۔

فروع کافی کے باب افتتاح الصلوۃ والحد فی التکبیر دما یقال عند ذلک

مین ہے۔ علی بن ابراهیم
عن حماد بن عیسیٰ قال قال
لی ابو عبد اللہ علیہ السلام یوماً
یا حماد تحسن ان تصلی قال
فقلت یا سیدی انا احفظ
کتاب حریز فی الصلوۃ قال
لا علیک یا حماد قم فصل قال
فقمت بین یدیہ متوجها الی
القبلة فاستفتحت الصلوۃ
فرکعت وسجدت فقال یا حماد
لا تحسن ان تصلی ما اقبح بالرجل
منکم ان یاتی علیہ ستون
سنة او سبعون سنة فلا یقیم
صلوۃ واحدۃ بحدودها
تامة قال حماد فاصابنی
فی نفسی الذل فقلت جعلت
فداک فعلمنی الصلوۃ فقام
ابو عبد اللہ علیہ السلام مستقبل
القبلة منتصباً فارسل یدیہ
جمیعاً علی فخذیہ قد ضم
اصابعه وقرب بین قدمیه
حتی کان بینهما قدر ثلاث
اصابع منفرجات واستقبل
باصابع رجلیه جمیعاً القبلة
لم یحرفهما عن القبلة وقال
بخشوع اللہ اکبر ثم قرء الحمد
بترتیل وقل ہو اللہ احد

یعنی علی بن ابراہیم حماد بن عیسیٰ سے
روایت کرتے ہیں کہ ایکروز جناب
امام جعفر صادق ؑ نے مجھسے فرمایا اے
حماد کیا تو اچھا جانتا ہے کہ نماز پڑھے
مینے کہا اے سید میرے مینے یاد کیا ہے
کتاب الصلوۃ حریز کو۔ حضرت نے
فرمایا کوئی حرج نہیں۔ تم کھڑے ہو کر
نماز پڑھو۔ حماد کہتے ہیں کہ میں کھڑا
ہوا سامنے آپکے اور قبلہ کی طرف
رخ کرکے افتتاح صلوۃ کیا اور رکوع
و سجود بجالایا۔ حضرت نے فرمایا اے
حماد تُو نے اچھی طرح نماز کو نہیں ادا
کیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ
تم لوگوں کی عمر ساٹھ ستر برس کی ہو
جائے اور ایک نماز بھی درست
طور سے نہ پڑھ سکو اور اوسکے حدود
کو درست طور سے نہ بجالاو۔ حماد
کہتے ہیں اس کلمہ سے نہایت ذلت
معلوم ہوئی اور مینے عرض کیا کہ

ثم صبر هنيئة بقدر ما يتنفس
وهو قائم ثم رفع يديه حيال وجهه
وقال الله اكبر وهو قائم ثم ركع
وملأ كفيه من ركبتيه مفرجات
ورد ركبتيه الى خلفه حتى استوى
ظهره حتى لو صب عليه من ماء
او دهن لم تزل لاستواء ظهره
ومد عنقه وغمض عينيه ثم سبح
ثلاثا بترتيل فقال سبحان ربي
العظيم وبحمده ثم استوى قائما
فلما استمكن من القيام قال
سمع الله لمن حمده ثم كبر و
هو قائم و رفع يديه حيال
وجهه ثم سجد وبسط كفيه
مضمومتي الاصابع بين يدي
ركبتيه حيال وجهه فقال سبحان
ربي الاعلى وبحمده ثلاث مرات
ولم يضع شيئا من جسده على شيء
منه وسجد على ثمانية اعظم

آپ پر فدا ہوں مجھے نماز کی تعلیم
فرمائیے۔ پس کھڑے ہوئے امام
جعفر صادقؑ اور قبلہ کی طرف
رخ کیا سیدھے ہو کر۔ اور دونوں
ہاتھوں کو آپنے سیدھے لٹکا دیا
اپنے زانوؤں پر اور انگلیاں اونکی
ملا لیں۔ اور نزدیک کیا اپنے
دونوں قدم کو۔ کہ اونمیں تین یا چار
انگل کا فاصلہ رہا۔ اور پیر کی
اونگلیوں کو بھی جانب قبلہ کیا
کہ کچھ نہ رہے قبلہ سے۔ پھر بخشوع
کہا اللہ اکبر۔ پھر سورہ الحمد کی تلاوت
کی بہ ترتیل بعدہ قل ہو اللہ احد
پڑھا اور اتنی دیر تک کھڑے رہے
کہ سانس لے لیں۔ پھر دونوں ہاتھوں
بلند کیا برابر چہرہ اقدس کے اور کہا
اللہ اکبر۔ ابھی تک آپ کھڑے ہیں
پھر رکوع کیا۔ اور بھر لیا دونوں
ہتھیلیوں کو گھٹنوں سے۔ کہ انگلیاں

الکفین والرکبتین وانامل ابهامی الرجلین والجبهة و والانف وقال سبعة منہا فرض یسجد علیہا وهی التی ذکرها الله تعالی فی کتابه فقال وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدا وهی الجبهة والکفان والرکبتان والابهامان ووضع الانف علی الارض سنة ثم رفع راسه من السجود فلما استوی جالسا قال الله اکبر ثم قعد علی فخذه الایسر وقد وضع ظاهر قدمه الایمن علی بطن قدمه الایسر وقال استغفر الله ربی واتوب الیه ثم کبر وهو جالس وسجد السجدة الثانیة وقال کما قال فی الاولی ولم یضع شیئا من بدنه علی شیٔ منه فی رکوع ولا سجود

کہلی ہوئی تہین - اور دبایا گہٹنے کو پیچھے کی طرف - یہانتک کہ برابر ہوئی آپکی پشت کہ اگر اوسپر ایک قطرہ پانی کا ڈالا جائے یا تیل تو وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے بوجہ اسکے کہ پشت برابر تھی اور سیدہا کیا گردن کو - اور بند کرلیا آنکھونکو اور تین مرتبہ بترتیل کہا سبحان ربی العظیم وبحمدہ پھر سیدہے کھڑے ہوئے جب اچھی طرح کھڑے ہوئے تو فرمایا سمع الله لمن حمدہ پھر تکبیر کہا کھڑے کھڑے - اور دونون ہاتہون کو چہرہ تک بلند کیا - پھر سجدہ کیا - اور پہیلا دیا ہتھیلیون کو کہ انگلیان اوسکی ملی ہوئی تہین سامنے دونو گہٹنون کے مقابل چہرہ کے اور کہا سبحان ربی الاعلی وبحمدہ تین مرتبہ اور نہ رکہا آپنے ایک بدن کو دوسرے

وکان مجتمعا ولم یضع ذراعیه علی الارض فصلی رکعتین علی هٰذا ویداہ مضمومتا الاصابع وھو جالس فی التشہد فلما فرغ من التشہد سلّم فقال یاحماد ھکذا اصلّ

بدن پر۔ اور سجدہ کیا آٹھ عضو پر دونو ہتھیلیان۔ دونو گھٹنے اور دونو زانو اور دونو انگشت پیرون کی۔ اور پیشانی اور ناک اور فرمایا کہ سات عضو پر سجدہ کرنا فرض ہے جسکا خدانے ذکر

کیا ہے آیہ وان المساجد للہ فلاتدعوا مع اللہ احدا مین کہ وہ پیشانی۔ دونو کف دست دونو گھٹنا۔ دونو انگشت ہین پیرون کی۔ اور ناک کا رکھنا خاک پر سنت ہے پھر بلند کیا سر اپنا سجدہ سے جب سیدہے بیٹھے تو کہا اللہ اکبر۔ پھر بیٹھے بائین زانو پر کہ ظاہر قدم الیمین لکھا اطن قدم الیسر پر اور کہا استغفر اللہ ربی واتوب الیہ۔ پھر تکبیر کہا بیٹھکر۔ اور سجدہ کیا دوسرا سجدہ۔ اور کہا جسطرح پہلے سجدہ مین کہا تھا۔ اور نہ رکھا ایک عضو کو دوسری عضو پر کوع وسجود مین اور رکھے پھیلا ہوئے ہاتھ کو اور نہ رکھا ساق دست کو زمین پر۔ اسی طرح دو رکعت نماز پڑہی اور دونو ہاتھ آپکے مضمومۃ الاصابع تھے۔ اسیطرح تشہد پڑھا اور بعد تشہد سلام کیا۔ پھر کہا اے حماد اسطرح نماز پڑھا کر۔ تمام ہوا ترجمہ

منے اس غرض سے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ شاید کوئی مسلمان اس روایت کو دیکھکر اپنی نماز درست کرے دوسرے یہ کہ

چونکہ ملا محمد معین صاحب نے ان حضرات کے ہاتھ کہولنے کا ضمناً اشارہ کیا تھا اسلئے اوسکی تصریح دکہانا تھا مطابق روایت شیعہ

اب مین اس بحث کو ختم کرتا ہون کیونکہ بفضلہ تعالی خود کتب معتبرہ اہلسنت سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ جو طریقہ شیعون کا نماز پڑہنے مین ہے یہی سنت رسول اللہ تھا - اور تمامی اہل مدینہ جسمین اولاد وازواج رسول وموالی وصحابہ وتابعین وتبع تابعین سب داخل ہین سبکا یہی معمول تھا کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے - اور اہلسنت کے امام مالک کا یہی مذہب ہے - اور امام شافعی کا بھی اسی کے مطابق فتوی ہے تو اب اہلسنت غور کرین - اونکی نماز جو ہاتھ باندہ کر ہوتی ہے کیسی ہے کیونکہ نہ کوئی حدیث صحیح اونکے پاس ہے رسول اللہ سے نہ عمل صحابہ ہے نہ عمل تابعین - تو اب ہم اس نماز کی نسبت کیا کہین کہ آخر یہ نماز اونکی کیسی ہے - والحمد للہ اولاً واخراً والصلوٰۃ علی نبیہ واہلبیتہ باطناً وظاہراً

## دوسرا جملہ ابطال دلائل مخالفین

اہلسنت کی سب سے عمدہ دلیل اس مادہ مین روایت صحیح بخاری ہے جو حسب ذیل ہے باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ عن مالک عن ابی حازم عن سہیل بن سعد قال کان الناس یومرون ان یضع الید الیمنی علی ذراعہ

الیسری فی الصلوۃ وقال ابو حازم لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی قال اسمعیل ینمی ذلک ولم یقل ینمی ص

یہ باب اسکا ہے کہ داہنے ہاتھ کو بائین ہاتھ پر نماز مین رکہین حدیث بیان کی ہے ہمسے عبداللہ بن مسلمہ نے مالک سے اونہون نے ابی حازم سے اونہون نے سہیل بن سعد سے کہ تھے لوگ حکم کئے جاتے۔ اس بات کا کہ مرد رکھے دہنا ہاتھ کلائی پر بائین ہاتھ کی نماز مین۔ کہا ابو حازم نے مین نہین جانتا مگر یہ کہ وہ نسبت کرتے تھے اسکو رسول اللہ کی طرف کہا اسمعیل نے کہ ینمی ذلک بصیغہ مجہول ہے۔ اور نہین کہا ینمی بصیغہ معروف

خلاصہ یہ کہ سہیل بن سعد روایت کرتے ہین لوگونکو اسکا حکم ہوتا تھا کہ داہنا ہاتھ بائین پر رکہین۔

یہی روایت ہے جسپر اسکی بنا ہے کہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہی جائے مگر خود روایت بتا رہی ہے کہ کس وضع کی یہ حدیث ہے جسپر خود علمائے اہلسنت نے چند اعتراض کئے ہین۔

(۱) علامہ عینی لکھتے ہین وفیہ التحدیث بصیغۃ الجمع فی موضع والعنعنہ فی ثلاثۃ مواضع وھو من افراد البخاری ص ۱۴۰ جلد ۳ یعنی اسمین پہلے تو حدثنا بصیغہ جمع ہے پھر تین موضع پر عنعنہ ہے۔ اور افراد بخاری سے ہے کہ صرف بخاری اسکے راوی ہین اور چونکہ عام طور سے اہلسنت کے یہان جب روایت مین عن فلان عن فلان

ہو وہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح میں اتصال ضروری ہے اور معنعنہ بلا اتصال بھی ہوتا ہے لہذا یہ روایت عام طور سے حکم صحت سے خارج ہے اور بغیر صحت حدیث استدلال درست نہیں

دوسرے حدیث مبہم ہے نہ معلوم اسکا تعلق حالت قیام سے ہے یا قعود سے۔ اسلئے ابن حجر کو شرح میں یہ جملہ بڑھانا پڑا ای فی حال القیام مگر نفس حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے حال قیام سمجھا جائے

تیسرے اسمیں بھی ابہام ہے کہ کسکا حکم تھا۔ کون حکم دیتا۔ اسی لیے ابن حجر کو یہ لکھنا پڑا ہذا حکمہ الرفع لانہ محمول علی ان الامر لہم بذلک ھو النبی صلعم کما سیاتی یعنی یہ حدیث حکم رفع میں ہے (یعنی نسبت ہے آنحضرت کی طرف) کیونکہ محمول ہے اسپر کہ حکم دینے والے اسکے رسول اللہ تھے جیسا کہ آتا ہے۔

مگر اسمیں یہ خرابی ہے کہ اگر حضرت کا امر ثابت ہو تو اوس سے وجوب اسکا ثابت ہوگا اسلئے کہ امر وجوب کے لئے ہے اور کوئی قائل بوجوب نہیں لہذا نسبت آنحضرت کی طرف غلط ہے۔

پس اگر فرض کیا جائے تو اس سے لازم آتی ہے مخالفت امام مالک و شافعی جو قائل بہ ارسال تھے یعنی ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا انکا مذہب تھا بلکہ امام مالک تو ہاتھ باندھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ تو کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ امام مالک کا مذہب بمخالفت امر رسول قائم ہوا۔

تیسرے اگر اس لفظ یومرون سے یہ بات پیدا ہوتی تو ابو حازم کو اسکی

تصریح کی کیا ضرورت تھی لا اعلمہ الا ینمی ذالک الی النبی یعنی مین
جہانتک جانتا ہون وہ اس روایت کو نسبت کرتے تھے حضرت کیطرف
کیونکہ اگر اصل روایت سے یہ بات پیدا ہوتی تو اس اضافہ کی ضرورت
نہ تھی یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر نے اس اعتراض کو نقل کیا ہے اور جواب
دیا ہے قیل لو کان مرفوعا ما احتاج ابو حازم الی قولہ لا اعلمہ الخ و
الجواب انہ اراد الانتقال الی التصریح فالاول لا یقال لہ مرفوع
وانما یقال لہ حکم الرفع یعنی کہا گیا ہے کہ اگر یہ حدیث مرفوع ہوتی ۔
(یعنی منسوب آنحضرت کی طرف) تو ابو حازم کو اسکی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ
لا اعلمہ الخ کہتے ۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اوہون نے ارادہ کیا اسکا کہ انتقال
کرین طرف تصریح کے (یعنی تصریح کردین کہ یہ حضرت سے روایت ہے)
کیونکہ اول کو مرفوع نہیں کہتے بلکہ حکم رفع کہتے ہین ۔
یعنی غرض یہ ہے کہ روایت مبہم تھی اسلئے اسکی تصریح کردی کہ یہ روایت
حضرت ہی سے ماخوذ ہے حضرت ہی حکم دیتے تھے مگر اسمین یہ خرابی ہے
کہ راوی کی تصریح سے کیا ہوتا ہے جب تک خود اصل راوی اول نہ
بیان کرے کہ مجھے رسول اللہ سے سنا یا حضرت نے مجھسے بیان کیا ۔ اوسوقت
تک حدیث کی مرفوعیت نہیں معلوم ہوتی یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر لکھتے
ہین واعترض الدانی فی اطراف الموطا فقال ہذا معلول لانہ
ظن من ابی حازم ورد بان ابا حازم لو لم یقل لا اعلمہ الی اخرہ
لکان فی حکم المرفوع لان قول الصحابی کنا نؤمر بکذا یصرف

نظاھر الی من له الامر وھو النبیؐ لان الصحابی فی مقام تعریف الشرع فیحمل علی من صدر عنه الشرع ومثله قول عائشة کنا نومر بقضاء الصوم فانه محمول علی ان الامر بذلک ھو النبیؐ واطلق البیھقی انه لاخلاف فی ذلک بین اھل النقل ص ۲۰۶

کہ والی نے اطراف موطا مین یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ قول اسوجہ سے معلول ہے کہ یہ گمان ابوحازم ہے (اور گمان راوی کوئی چیز نہین) اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر ابوحازم یہ نہ کہتے کہ ہم جہانتک جانتے ہین اس قول کی نسبت حضرت کی طرف ہے۔ تو بہی یہ حدیث حکم رفع مین ہوتی کیونکہ جب صحابی یہ کہتا ہے کہ ہمکو ایسا حکم دیا جاتا تھا۔ تو یہ اسی پر محمول کیا جاتا ہے کہ حکم دینے والے آنحضرت تہے۔ کیونکہ صحابی مقام تعریف شرع مین ہے۔ لہذا اسی پر حمل کیا جائیگا کہ یہ حکم شارع ہے۔ اور اسی کے مثل ہے قول عائشہ کہ ہملوگ حکم دئے جاتے تھے بقضاء صوم کیونکہ اس سے مراد یہی ہے کہ آنحضرت حکم دیتے تھے۔ اور بیہقی نے تو اسکا دعوی کیا ہے علی الاطلاق کہ اہل نقل کو اسمین اختلاف ہی نہین۔

**اقول** افسوس ہے تو اسیکا کہ یہ حضرات دعوی کرتے ہین علم حدیث کا اور مطلقاً اوس سے بہرہ نہین رکھتے کیونکہ قول عائشہ کنا نومر مین یا اور اقوال صحابہ مین جو اسطرح وارد ہین۔ پھر راوی اسطرح کی تصریح نہین کرتا جو اسکا قرینہ ہے کہ وہان مطلب واضح ہے اور صاف کہ یہ حکم رسول تھا۔ بخلاف انکے یہان چونکہ اصل حکم رسول نہین ہے اسلئے اوس

حدیث کے اعتبار بڑھانے کو کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حکم دوسرے کسی کا تھا۔ اسلئے ابو حازم نے لا اعلمہ کا اضافہ کیا جس سے خواہ مخواہ اسکی وضعیت ظاہر ہو گئی۔ کیونکہ اگر یہ حدیث وضعی نہ ہوتی تو ابو حازم کو اسکے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ پس یہ قول ابو حازم خود اسکا کاشف ہے کہ حدیث رسول نہیں ہے ورنہ اصل حدیث بجائے خود کافی تھی اسکے لئے کہ یہ حکم رسول ہے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جو حدیث وضعی یا جعلی ہوتی ہے من جانب اللہ اوسمیں کوئی لفظ کوئی قرینہ ایسا ضرور پیدا ہوجاتا ہے جس سے اوسکی وضعیت کھل جاتی ہے کیونکہ واضع خود جانتا ہے کہ یہ حدیث ہم وضع کر رہے ہیں۔ اسلئے وضع کے اخفا کے لئے وہ چاہتا ہے کسی طرح اسکو ایسا معتمد بنائیں کہ گمان وضع نہو جس سے خواہی نخواہی کوئی لفظ ایسا بڑھا جاتا ہے کہ وہ پردہ دار ہو۔ اور وہی پردہ داری اوسکا پردہ فاش کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اتحاد میں جو صحیح روایتیں ہوتی ہیں اونمیں ایسی باتیں نہیں ہوتیں اگر اسپر بھی تسکین نہو تو خود حافظ ابن حجر کا کلام جو اسکے بعد ہے ملاحظہ فرمائیں کہ لکھتے ہیں وقد روی فی سنن ابی داؤد والنسائی وصحیح ابن السکن شئ یستانس بہ علی تعیین الراھم والماموم فروی عن ابن مسعود قال رانی النبی واضعا یدی الیسری علی الیمنی فنزعھا ووضع الیمنی علی الیسری اسنادہ حسن

یعنی سنن ابو داؤد۔ نسائی۔ صحیح ابن سکن مین ایک ایسی شئی روایت کی گئی ہے۔ جس سے اس بات کی موافقت ہوتی ہے کہ امر د مامور معین ہو۔ کیونکہ روایت کی ہے ابن مسعود سے کہ دیکھا مجھے آنحضرت نے بایان ہاتھ داہنے ہاتھ پر رکھے ہوئے۔ تو حضرت نے چھوڑا دیا اور داہنا بائین پر رکھا۔ سند اسکی حسن ہے۔

مگر ہاے اس استثناء نے اور بھی وحشت پیدا کی کیونکہ اولا یہ حدیث حسن ہے۔ اور وہ حدیث صحیح کہی جاتی ہے تو حدیث صحیح کی وحشت حدیث حسن سے کیونکر دور ہو سکتی ہے کیونکہ حدیث حسن تو بمقابلہ صحیح کوئی چیز نہین۔

دوسرے یہ واقعہ مخصوص ہے ابن مسعود سے اس سے اوس حدیث عام کی وحشت کیونکر دفع ہوئی جسمین یہ بیان ہے کہ تمام طور سے حکم دیا جاتا تھا۔

تیسرے اس حدیث مین نہ ذکر صلوۃ ہے نہ ذکر قیام نہ ذکر قعود۔ پھر اس حدیث سے اوسکو کیا نفع پہونچ سکتا ہے جو خاص نماز کے متعلق ہے۔

یہان معمولی عقل کا آدمی بھی کہ دیگا کہ جس طرح بخاری نے وضعی حدیث لکھکر ہاتھ باندہ کر نماز پڑہنا ثابت کرنا چاہا اوسی طرح ان محدثین نے جو اونکے بعد ہوئے اس وضع کی حدیثین ڈھالین کہ بخاری

کی کاروائی پر بھی پردہ پڑے اور ہاتھ باندہنا بھی ثابت ہو۔ مگراین خیالات وہ محالست وجنون۔ کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی جسکے راوی خود امام مالک ہین تو اوسکے خلاف اپنا مذہب کیون قایم کرتے جو تمام عالم کو معلوم ہے کہ مالک کا مذہب ہاتھ کہولنا تھا چنانچہ خود ابن حجر ہی لکھتے ہین وروی ابن القاسم عن مالك الارسال وصار اليه اكثر اصحابه وعنه التفرقة بين الفريضة والنافلة ومنهم من كره الامساك ونقل ابن حاجب ان ذلك حيث يمسك معتمداً لقصد الراحة

یعنی ابن القاسم نے مالک سے روایت کیا ہے ارسال کو اور اکثر اصحاب اونکے اسی طرف گئے ہین اور اونسے فریضہ ونافلہ مین فرق بھی منقول ہے اور بعضے علمائے مالکیہ نے کراہت کی ہے ہاتھ باندہنے سے اور ابن الحاجب نے نقل کیا ہے کہ ہاتھ باندہنا بضرورت جائز ہے کہ بقصد آرام ایسا کیا جائے۔

تو اب دو ہی صورت ہے ایک یہ کہ امام مالک نے اپنا مذہب خلاف حدیث صحیح قایم کیا جس سے پھر اونکا کفر لازم آتا ہے ومن یشاقق الرسول دوسرے یہ کہ یہ حدیث صحیح نہین ہے جبھی مالک نے اسکو کوئی چیز نہ سمجھا اور اوسکے خلاف اپنا مذہب قایم کیا۔

اس روایت کا آخری فقرہ جسے مینے علامت وضع قرار دیا ہے۔

وہ قول ابوحازم ہے قال ابوحازم لا اعلمه الا ينمى ذلك الى النبى

یعنی کہا ابو حازم نے کہ میں جہانتک جانتا ہون اس روایت کو سہیل نے حضرت کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسکی حقیقت کچھ تو پہلے مذکور ہوئی۔ مگر صحیح بخاری مین ہے کہ اسمعیل کہتے ہین یہ ینمی ہے بصیغہ مجہول۔ نہ ینمی بصیغہ معروف مطلب اسکا یہ ہے کہ ابو حازم نے ینمی کہا تھا بصیغہ مجہول کہ مین جہانتک جانتا ہون اسکی نسبت کی جاتی ہے انحضرت کی طرف نہ یہ کہ ابوحازم نے یہ کہا ہو کہ راوی نے حضرت کی طرف منسوب کیا

ان دونون لفظونکا فرق اسطرح ظاہر ہوگا کہ اگر قول ابو حازم مین ینمی ہو بصیغہ معروف تو اوسوقت یہ معنی ہونگے کہ سہیل نے اسکی نسبت آنحضرت کی طرف کی اس صورت مین حدیث مرفوع متصل ہوگی کیونکہ سہیل نے حضرت کی طرف نسبت کی ہے اور بصیغہ مجہول لیا جائے کہ نسبت کی جاتی ہے۔ تو اس صورت مین حدیث مرفوع نہ ہوئی بلکہ مرسل ہوئی۔ جو صحیح نہین ہوتی شرح عینی مین ہے فعلی صیغۃ المجہول یکون الحدیث موسلا لان اباحازم لم یعین من انما لہ وعلی صیغۃ المعلوم یکون متصلا لان الضمیر فیہ یکون لسہیل بن سعد لان اباحازم قد یعین لہ المنمی وھو سہیل بن سعد ص ۱۲ جلد ۳

بہرحال جب خود بخاری نے بقول اسمعیل ینمی کو صحیح کہا تو خود بخود یہ روایت ساقط الاعتبار ہوئی کیونکہ مرسل ہے جسکو صحیح نہین کہسکتے کہ صیغہ مجہول پڑھنے پر حدیث مرسل ہوگی کہ خود صحابہ کا قول ہوگا اور صیغہ معروف پڑھنے پر حدیث متصل ہوگی کیونکہ ضمیر عاید ہوگی

سہیل بن سعد کی طرف

اس تحقیقات کے بعد کسی متامل کو اسمین شک رہیگا کہ یہ حدیث محض وضعی ہے کیونکہ جس روایت مین اتنی خرابیان ہون وہ کب قابل قبول ہوسکتی ہے چہ جائیکہ اوسپر نماز ایسے رکن دین کا مدار رکھا جائے اور سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ راوی اس روایت کے امام مالک ہین جنکا مذہب بالکل اسکے خلاف ہے پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ممکن نہ تھا وہ اپنا مذہب اسکے خلاف قرار دیتے۔ کیونکہ لفظ حدیث ایسا مبہم ہے کہ کسیطرح اوس سے یہ نہین معلوم ہوسکتا کہ یہ حکم رسول ہو کیونکہ مولوی عبدالحی صاحب ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی مین لکھتے ہین۔ قال ابن الصلاح لا فرق فی ذلک بین ان یقول الصحابی ذلک فی حیوة رسول اللہ او بعدہ انتہی وتبعہ النوی فقال قول الصحابی امرنا بکذا او نہینا عن کذا او امر الناس بکذا ونحوہ کل مرفوع سواء قال الصحابی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ او بعد وفاتہ ونقضہ الحافظ العینی فی البنایہ شرح الہدایہ علی قولہ سواء قال ہذا غیر مسلم لجواز ان یقول الصحابی امرنا بکذا او نہینا بکذا بعد رسول اللہ ویکون الامر والناہی احد الخلفاء الراشدین انتہی وہذا الاحتمال قوی البنہ ص ۱۱۲

یعنی ابن الصلاح نے۔ یہ اصول قائم کیا تھا کہ جب صحابی کہے امرنا بکذا و نہینا بکذا وہ حدیث مرفوع ہے خواہ عہد نبی مین ہو یا بعد آنحضرت ہو۔ اسپر علامہ

عینی لکھتے ہین کہ یہ غیر مسلم ہے کیونکہ ممکن ہے آمرونا ہی خلفاء راشدین سے کوئی خلیفہ ہو۔ مولوی عبدالحی صاحب کہتے ہین کہ یہ احتمال البتہ قوی ہے۔

پس اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے حکم رسول کہان ثابت ہوا کیونکہ بقول عینی ممکن ہے یہ حکم کسی خلیفہ کا ہو۔

علامہ عینی کا یہی اعتراض اوس حدیث پر بھی ہے کہ امر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الوتر۔ اسکے جواب مین لکھتے ہین لا حجۃ للشافعیۃ فی هذا الحدیث لانہ لم یذکر الآمر فیحتمل ان یکون غیر النبی ﷺ ظفر الامانی صـ۱۱۱

پس جب بلال کے بارہ مین اونکا یہ عذر ہے حالانکہ بلال نے پھر کسی خلیفہ کے لئے اذان نہ دی۔ تو سہیل بن سعد کے بارہ مین بدرجہ اولیٰ یہی عذر کافی ہے کہ اونہون نے یہ حکم کسی خلیفہ کا بیان کیا ہو۔

جبکا سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ مالک جو راوی اس حدیث کے ہین اونہون نے اسپر عمل نہ کیا اور برخلاف اوسکے اپنا مذہب قایم کیا

یہان عینی نے شرح صحیح بخاری مین کچھ مزید تفصیل سے کام لیا ہو لکھتے ہین ومن جملۃ ما احتجوا فی الوضع حدیث رواہ ابن ماجہ من حدیث الاحوص عن سماک بن حرب عن قبیصہ بن الهلب عن ابیہ قال کان النبی ﷺ یؤمنا فیاخذ شمالہ بیمینہ وحدیث آخر اخرجہ مسلم فی صحیحہ عن وائل بن حجر ان رسول اللہ ﷺ رفع یدیہ الحدیث وفیہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری

وحدیث آخر اخرجہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ من حدیث
الحجاج بن ابی زینب سمعت اباعثمان یحدث عن عبداللہ بن
مسعود انہ کان یصلی فوضع یدہ الیسری علی الیمنی فراہ
النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فوضع یدہ الیمنی علی الیسری و
حدیث آخر اخرجہ دارقطنی من حدیث ابن عباس عن النبی
قال انا معشر الانبیاء امرنا بان نمسک بایماننا علی شمائلنا فی الصلوٰۃ
وفی اسنادہ طلحۃ ابن عمر متروک وعن ابن معین لیس بشیٔ
وحدیث آخر اخرجہ الدارقطنی ایضاً عن ابی ھریرۃ مرفوعاً نحو
حدیث ابن عباس وفی اسنادہ النضر بن اسمعیل قال ابن معین
لیس بشیٔ ضعیف ص ۱۵ جلد ۳

یعنی جن حدیثوں سے ہاتھ باندھنے پر لوگ استدلال کرتے ہیں ایک
حدیث ابن ماجہ ہے۔ احوص سماک بن حرب۔ قبیصہ بن مہلب۔ مہلب سے
روایت کرتے ہیں کہ حضرت ہلو گو نکو نماز پڑھا رہے تھے تو بائیں ہاتھ کو پکڑا
داہنے ہاتھ سے۔
دوسری حدیث مسلم کی ہی وائل بن حجر سے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ
اپنا رکھا بائیں ہاتھ پر۔
تیسری حدیث روایت ابوداؤد و نسائی۔ و ابن ماجہ ہے کہ حضرت نے
داہنا ہاتھ رکھا بائیں پر یہ حدیث حجاج بن ابی زینب ہے ابوعثمان کی
وہ عبداللہ بن مسعود سے کہ یہ بایاں ہاتھ داہنے پر رکھے تھے۔ حضرت نے

داہنا ہاتھ بائیں پر رکھا۔

چوتھی حدیث دارقطنی کی ہے ابن عباس سے کہ حضرت نے فرمایا ہم معاشر انبیا کو اسکا حکم ہے کہ داہنے ہاتھ سے بایاں ہاتھ پکڑین۔ اس روایت مین طلحہ بن عمرو متروک ہے۔ ابن معین نے کہا لیس بشئ

پانچوین حدیث دارقطنی کی ابوہریرہ سے ہے مثل حدیث ابن عباس اسکی سند مین نضر بن اسمعیل ہے جو بقول ابن معین لیس بشئ ہے یعنی ضعیف ہے

یہ پانچ حدیثین ہین جنمین دو جو دارقطنی کی روایت ہے بقول خود عینی لاشئ ہے۔ باقی رہی تین روایتین پہلی روایت کے راوی اول احوص ہین خلاصہ تہذیب الکمال مین ہے وقال ابن معین ثقة و مرة ثقة لیس بذاك المتوفی ۲۳۳ھ کہا ابن معین نے ایک دفعہ کہ ثقہ ہین دوسری مرتبہ کہا لیس بذاک

راوی دوم سماک بن حرب ہین میزان الاعتدال مین ہے صفحہ ۴۲۵ جلد اول

سماك بن حرب ابو المغيرة الهذلي الكوفي صدوق صالح من اوعية العلم مشهور روى ابن المبارك عن سفيان انه ضعيف وقال جرير الضبي اتيت سماكا فرايته يبول قائما فرجعت

خلاصہ یہ کہ سماک بن حرب ہذلی صدوق ہین صالح ہین اوعیہ علم سے ہین روایت کی ابن المبارک نے کہ وہ ضعیف ہین۔ جریر ضبی کہتے ہین کہ ہم سماک کے یہان گئے تو اوسے کھڑے کھڑے پیشاب کرتے دیکھا لہذا واپس آگئے

ولم اساله فقلت خرف
وروى احمد بن ابى مريم
عن يحيى سماك ثقة كان
شعبة يضعفه وقال
جناد المكتب كنا ناتى سماكا
فنساله عن الشعر ويأتيه
اصحاب الحديث فيقبل
علينا ويقول سلوا فان
هولاء ثقلاء وروى
مومل عن حماد بن مسلمة
سمعت سماك بن حرب
يقول ذهب بصري فرايت
ابراهيم الخليل في النوم
فقلت ذهب بصري فقال
انزل الفرات فاغمس راسك
وافتح عينك ان الله يرد
عليك بصرك ففعلت
ذلك فرد الله علي بصري
وقال ادركت ثمانين من الصحابة

اور کچھ نہ پوچھا اور کہا کہ خرف
ہو گیا ۔ شعبہ انکو ضعیف کہتے
ہین ۔ جناد مکتب کہتے ہین کہ ہملوگ
شعر وغیرہ پوچھنے آتے تھے اور
اہلحدیث حدیث سیکھنے تو وہ
ہملوگون کی طرف متوجہ ہوتے
اور اہلحدیث کو کہتے یہ سب ثقیل
ہین ۔ مومل نے کہا کہ جب آنکی آنکھ
جاتی رہی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام
کو خواب مین دیکھا ان سے شکایت
کی تو کہا فرات مین غوطہ لگاؤ
اور آنکھین کھولدو ۔ اس سے
پھر ان کی آنکھین روشن ہو گئین
سماک کا بیان ہے کہ ہمنے اسی (۸۰)
صحابہ کو پایا ۔ احمد کہتے ہین کہ سماک
مضطرب الحدیث ہے ابو حاتم
ثقہ صدوق کہتے ہین ۔ صالح
جزرہ ضعیف کہتے ہین ۔ نسائی
کہتے ہین جب وہ تنہا روایت

وقال احمد سماک مضطرب الحدیث وقال هو اصلح حدیثا من عبد الملک بن عمیر وقال ابو حاتم ثقة صدوق وقال صالح جزرة ضعیف وقال النسائی اذا انفرد باصل لم یکن حجة لانه کان یلقن فیتلقن روی حجاج عن شعبة قال کانوا یقولون سماک وعکرمة عن ابن عباس فیقول نعم فاما انا فلم اکن القنه قد روی قتادة عن ابی الاسود الدولی قال ان سرک ان یکذب صاحبک وقال عبد اللہ بن احمد بن حنبل قرات بخط ابی عن رجل لم یسمه قال کان سماک بن حرب فصیحا

اگر ہین تو وہ قابل احتجاج نہین کیونکہ انکو لوگ تلقین کرتے تھے تو یہ اوسکو یاد کر لیتے تھے شعبہ کھتے ہین کہ لوگ کھتے تھے سماک وعکرمہ عن ابن عباس تو یہ کہتے ہان ہم اونکی تلقین نہ کرتے تھے۔ عبد اللہ بن احمد بن حنبل کھتے ہین کہ مینے اپنے باپ کے حرف سے دیکھا ہے کہ سماک فصیح تھے اپنی خوش بیانی سے حدیث کو زینت دیتے ذہبی کہتے ہین انسے مسلم نے اور شعبہ نے اور ایک جماعت نے روایت کی ہے ابن مدینی کہتے ہین کہ اونکی دو سو روایت ہے۔ ابن عمار کہتے ہین کہ اکثر غلطی کرتے اور لوگ انکی روایت مین اختلاف کرتے۔ عجلی جائز الحدیث کھتے ہین سفیان ثوری

يزين الحديث بمنطقه
بفصاحته قلت قد احتج
مسلم به في روايته عن
جابر بن سمرة والنعمان
بن بشير وجماعة وحدث عنه
شعبة وزائدة وابو عوانه
والناس قال ابن المديني
نحو مائتي حديث قال ابن
عمار كان يغلط ويختلفون
في حديثه وقال العجلي
جائز الحديث كان الثوري
يضعفه قليلا وقال ابن المديني
روايته عن عكرمة مضطربة
فسفيان وشعبة يجعلونها
عن عكرمة وابو الاحوص
واسرائيل يجعلونها عن عكرمة
عن ابن عباس وقال
يعقوب بن شيبة هو في عكرمة
صالح وليس من المتثبتين ص ٢٣٤

انکو ضعیف کہتے ہیں مگر کم کہا
ابن مدینی نے کہ ان کی روایت
عکرمہ سے مضطرب
ہے۔ یعقوب بن شیبہ
کہتے ہیں عن عکرمہ میں صالح
ہیں۔ مگر مثبتین سے نہیں ہیں
تمام ہوا ترجمہ

راوی سوم قبیصہ بن مہلب
عن ابیہ میزان میں ہے قال ابن
المدینی مجہول لم یرو عنہ
غیر سماک وقال العجلی ثقة
تابعی ص ۳۱۱ جلد ۲
کہا ابن مدینی نے کہ قبیصہ
بن مہلب مجہول ہیں بجز سماک
کسی نے انسے روایت نہیں کی۔
عجلی ثقہ وتابعی کہتے ہیں۔
ان تصریحات صریحہ سے کہ
تینوں راوی اسکے مجروح ہیں
روایت ابن ماجہ کی قلعی تمام

عالم پر کھل گئی کہ یہ روایت کیسی ہے۔
اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضرت ہملوگونکو نماز پڑھاتے تھے تو بائیں ہاتھ کو دہنے ہاتھ سے پکڑتے تھے۔ پس جب تینوں راوی اسکے مجروح و ضعیف ہیں تو حدیث صحیح کہاں رہی اسیر بنا کر کے ہاتھ باندھنا کیسا لغو ہے۔

دوسری حدیث ابن ماجہ۔ ابو داؤد۔ نسائی کی

حجاج بن ابی زینب سے ہے کہ ابن مسعود نے کہا جھنے بایاں ہاتھ داہنے پر رکھا تھا حضرت نے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھدیا۔ ابن حجر نے اسے حسن کہا تھا مگر میزان الاعتدال میں ہے حجاج بن ابی زینب الواسطی الصیقل عن ابی عثمان النہدی وغیرہ وعنہ یزید بن ھارون وعبد الرحمن بن مہدی قال احمد اخشی ان یکون ضعیف الحدیث وقال ابن معین لیس بہ باس وقال ابن المدینی ضعیف وقال النسائی لیس بالقوی قلت مات سنۃ بضع وخمسین ومائۃ قال الدارقطنی لیس ھو بقوی ولا حافظ ص ۱۸۸ جلد اول کہا احمد بن حنبل نے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ ضعیف الحدیث نہو۔ ابن معین نے کہا کوئی مضائقہ نہیں ابن المدینی نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا قوی نہیں ہے۔ دار قطنی نے کہا وہ قوی نہیں ہے نہ حافظ حدیث تھا ۱۵۰ھ وفات

تیسری روایت صحیح مسلم ہے حدثنا زہیر بن حرب قال نا عفان قال نا ھمام قال نا محمد بن جحادہ قال حدثنی عبد الجبار بن وائل عن علقمہ بن وائل و مولی لھما انھما حدثاہ عن ابیہ وائل بن حجر انہ رای النبیؐ رفع یدیہ حین دخل فی الصلوٰۃ کبر وصف ھمام حیال اذنیہ ثم التحف بثوبہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری فلما ان الادان یرکع اخرج یدیہ من الثوب ثم رفعھما ثم کبر فرکع فلما قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ فلما سجد سجد بین کفیہ ص ۱۷۳

یہ حدیث اگرچہ بہ نسبت حدیث بخاری صریح ہے مگر بالکل خلاف قیاس ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہو وہ ان حالات کو مشاہدہ کرے کیونکہ وائل بن حجر بیان کرتے ہین حضرت نے پہلی تکبیر کے لئے ہاتھون کو کانون کے برابر بلند کیا پھر لباس کو مثل لحاف کے اوڑھا پھر داہنے ہاتھ کو بائین ہاتھ پر رکھا جب رکوع کا ارادہ کیا تو ہاتھون کو باہر نکالا پھر تکبیر کہا پھر رکوع کیا جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو پھر دونو ہاتھون کو بلند کیا اور جب سجدہ کیا تو دونو ہتھیلیون کے درمیان مین سجدہ کیا۔

اس حدیث کا یہ بیان کہ حضرت نے کپڑہ کو اچھی طرح اوڑھ لیا اور بطور لحاف بنایا خود بتارہا ہے کہ راوی نے اسکے بعد وضع

یمنی علی الیسری کو محض تخمیناً بیان کیا ہے نہ یہ کہ دیکھا ہو کیونکہ
ماموم کو ممکن نہیں ان حالات کو دیکھ سکے خصوصاً جب امام
چادر یا لحاف اوڑھے ہو کہ اوسکے اندر ہاتھ کو کیونکر رکھتا ہی
کیونکر نہیں۔

ہاں اگر یہ کہا جائے کہ وائل بن حجر اس دفعہ شریک جماعت
نہ تھے بلکہ دیکھتے رہے تو البتہ ممکن ہے مگر یہ احتمال خود احتمال
بعید ہے اور بالکل خلاف قیاس۔

غرض یہی دو روایتیں ہیں جن سے استدلال کیا جاتا ہے
ہاتھ باندھنے پر چنانچہ نووی کہتے ہیں وحجۃ الجمہور فی
استحباب وضع الیمین علی الشمال حدیث وائل المذکور
ھہنا وحدیث ابی حازم مر ۱۱ رواہ البخاری ص ۱۷۳
یعنی دلیل ان لوگونکی جو ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں ایک یہی
حدیث وائل ہے جو صحیح مسلم میں ہے دوسری روایت ابو
حازم جو صحیح بخاری میں مذکور ہے تیسری روایت ترمذی جو
حسن ہے اور یہی حدیثیں ہیں مگر اونپر نہ حکم صحت لگایا ہے
نہ حسن کا

مگر ان سب روایتوں کا جواب علاوہ قدح رواۃ یہ ہے کہ اگر یہ روایتیں صحیح
ہوتیں تو امام مالک اپنا مذہب اسکے خلاف نہ قائم کرتے جو ہاتھ
کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔ خاص کر جب خود ہی ایک حدیث کے راوی

ہین جو صحیح بخاری کی روایت ہے جس بداہت ظاہر ہے کہ
وہ اس روایت سے واقف تھے کیونکہ خود ہی اوسکے راوی
ہین۔ تو بغیر اسکے کہ وہ اس روایت کو غیر صحیح جانتے تھے ممکن
نہ تھا کہ اوسکے خلاف اپنا مذہب قائم کرتے

مین جہانتک سمجھتا ہون اس ہاتھ باندہنے کے موجد امام
ابو حنیفہ ہین۔ جسے اونہون نے بخالفت ائمہ اہلبیتؑ ایجاد
کیا اور چونکہ وہ سلطنت کے آوردہ تھے اسلئے یہی مذہب سلطانی
قرار پایا جسکے بعد محدثین بھی اسپر مجبور ہوے کہ اس قسم کی روایتین
ڈھالین لہذا اس ایجاد کے بعد روایتون کی ساخت شروع
ہوئی کیونکہ

اولاً اسلامی احکام جسقدر دیکھے جاتے ہین اونمین اسقدر سادگی
اور بے تکلفی ہے کہ نہ کہین تصنع ہے نہ تکلف۔ اور ابو حنیفہ چونکہ
اصلاً عجمی تھے اسلئے اونکی فطرت مین تکلف و تصنع بھرا ہوا تھا اسی
لئے اونہون نے شاہی قواعد و آداب سے جو عجم مین مروج تھا کہ بادشاہ
کے سامنے مودب دست لبستہ کھڑے ہون۔ یہ طریقہ اخذ کیا کہ
نماز مین بھی دست لبستہ کھڑے ہون حالانکہ نہ شارعؑ نے اسکی
اجازت دی تھی نہ اسکا حکم دیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ امام مالک جو عربی نژاد تھے اور صحابہ کی اولاد
سے اور بود و باش انکی مدینہ مین تھی۔ اس تصنع سے بری رہے

اور وہی طریقہ انہوں نے اختیار کیا جو رسول اللہ اور صحابہ وتابعین کا طریقہ تھا۔

ثانیاً ابو حنیفہ کا قیام کوفہ مین تھا جہان شیعون کی جمعیت زیادہ تھی اور اکثر موالی اہلبیت تھے۔ اسلئے انکو اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرین جس سے شیعہ وسنی مین ایک نمایان فرق ہوجائے۔ کیونکہ افعال نماز سب کے یکسان تھے سب ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے۔ اسلئے کوئی تمیز نہ تھی کہ کون سنی ہے کون شیعہ لہذا ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جس سے بین طور پر فرق نمایان ہو۔

بخلاف اسکے امام مالک کا قیام مدینہ منورہ مین تھا جہان کا بچہ بچہ تک آداب وقواعد نماز سے واقف تھا اور پھر ائمہ اہلبیت کا بھی وہین قیام تھا۔ جنسے گو زمانہ موافق نہ تھا مگر نہ اونکی اعلمیت مین کسیکو عذر تھا نہ اسمین کہ یہی لوگ سچے وارث شریعت ہین۔ اسلئے اگر امام مالک وہان چاہتے بھی کہ خلاف طریقہ رائجہ کوئی طریقہ جاری کرین توکبھی کامیاب بھی نہ ہوتے چنانچہ آپ معاویہ کی حالت دیکھ چکے ہین کہ جب اوسنے بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا سورہ مین ترک کیا توہر طرف سے مہاجرین وانصار کی آواز بلند ہوئی کہ اسرقت البسملۃ یامعویہ کہ اے معویہ تونے بسم اللہ چورالیا۔ توبھلا امام مالک ایسی ایجاد مین کب

انکا میاب ہو سکتے تھے - اسی سبب سے اور بھی وہ اوس طریقہ سابقہ کو نہ چھوڑ سکے حالانکہ سلطنت کے دباؤ یا خاطر سے ایک روایت بیش کر دیا۔

ثالثاً خلافت بھی چونکہ خاندان بنی ہاشم مین آئی تھی اور بنی عباس و اولاد جناب امیرؑ اسمین پہلے متحد سمجھے جاتے جسکو منصور دوانیقی نے اپنے زمانہ خلافت مین مٹا دیا - اسلئے وہ خلفا بھی اسپر مجبور تھے کہ کوئی ایسا طریقہ رائج ہو جس سے طرفداران سلطنت اور ہوا خواہان اہلبیتؑ طاہرین تمیز ہو جائین - اسلئے ہاتھ باندہنے نے زیادہ رواج پایا کیونکہ یہی گویا شاہی مذہب ہو گیا تھا - مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ چونکہ پائے تخت خلافت سے دور تھا - اسلئے ادسپر اثر کم پڑا اور امام مالک یہان مجبور تھے کہ اوسی طریقہ کو جاری رکھین جو زمانہ رسول اللہ سے مروج تھا۔

رابعاً امام مالک بہ نسبت ابو حنیفہ کے کچھ آزاد مزاج بھی تھے اور اون مین خود ایک طرح کی شان بھی تھی اسلئے وہ سلطنت کے دباؤ مین زیادہ نہ آتے چنانچہ ایکدفعہ ہارون رشید نے انسے فرمایش کی کہ امین و مامون کی تعلیم کے لئے روزانہ آیا کرین - ایک روز تو مالک گئے مگر دوسرے روز انکار کر دیا کہ اہل علم کی یہ شان نہین ہے کہ وہ تعلیم کے لئے جایا کرے بلکہ جو طالب علم ہوتا ہے اوسے آنا چاہیئے - اسلئے اور بھی اونہون نے اپنا طریقہ نہ بدلا۔

بخلاف ابو حنیفہ کے کہ وہ ایسے خوشامدی تھے کہ منصور دوانقی نے انکو حکم دیا کہ اینٹین جو شہر بغداد کے تعمیر کے لئے آرہی ہین اونکو گنا کرو۔ ابو حنیفہ نے اوسے بھی قبول کر لیا۔

خامسًا محدثین چونکہ قریب قریب سبھی خلافت کے وظیفہ خوار تھے۔ اسلئے جو ہوائے سلطنت ہوتی اوسکے مطابق حدیثین گڑھ دیتے اسیلئے اتنی حدیثین اس باب مین بھی بنگئین۔ ورنہ کون کہ سکتا ہے کہ ایسے حسی امور مین اسقدر اختلاف ہو۔

آپ تو رسالہ وضو مین دیکھ چکے ہین کہ وضو کے بارہین کیسا۔ حکم صریح قرآن مین موجود ہے وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین جسمین ایک اندھا بھی نہین شک کرسکتا کہ سر اور پیر پر مسح کا حکم ہے۔ حدیثین بھی بیشمار اسکے موافق ہین۔ مگر چونکہ خلیفہ دوم نے پیر دہونے کی ایجاد کی تھی۔ اسلئے حدیثین اسکے موافق بن گئین اور قرآن مین ایک صریح غلطی کا التزام کر لیا گیا۔

اوسی طرح اس ہاتھ باندہنے کو سمجھیے کہ چونکہ سلطنت کا یہی مذہب تھا لہذا ہر طرح کا سامان مہیا کر دیا گیا اور ہر قسم کی حدیثین وضع کر دی گئین کہ یہی سنت رسول اللہ ہے حالانکہ محض غلط ہے۔

اگر میرے اس بیان پر وثوق نہو تو علامہ عینی کے کلام سے اس نتیجہ کو اخذ کیجیے کیونکہ وہ اختلاف محل کے متعلق لکھتے ہین فعندہ تحت السرۃ وعند الشافعی علی الصدر کہ حنفیونکے نزدیک ناف

ہاتھ رکھنا چاہئے اوسمین کوئی تصریح اسکی نہین ہے کہ کہان ہاتھ باندہنا چاہیئے۔ مگر ابن خزیمہ نے اپنی صحیح مین یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر سینہ پر رکھا تھا۔ اور حنفیون نے حضرت علیؑ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ آپنے فرمایا سنت سے یہ ہے کہ داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر زیر ناف رکھے اسپر عینی لکھتے ہین قلت ھذا قول علی بن ابیطالب و اسنادہ الی النبی غلط ص۱۵ جلد ۳ یعنی یہ قول حضرت علیؑ کا ہے اور اسکی نسبت رسول اللہؐ کیطرف غلط ہے۔

جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ وضعی روایت کیون حضرت کیطرف منسوب کی گئی۔ اسی لئے کہ وہ بھی ہاتھ باندہنے مین شریک کرلئے جائین۔

پھر لکھتے ہین ولکن الذی روی عن علیؑ فیہ مقال لان فی سندہ عبد الرحمن بن اسحق الکوفی قال احمد لیس بشئ منکر الحدیث یعنی جناب امیرؑ والی روایت مین یہ بھی کلام ہے کہ اوسکی سند مین عبد الرحمن بن اسحق کوفی ہے جسکے نسبت امام احمد کہتے ہین کہ وہ منکر الحدیث ہے اور لیس بشئ۔

میرا مطلب اس سے یہ نہیں ہے کہ اس روایت سے وہ دست بردار ہوگئے ہون کیونکہ اسکا یہ جواب دیا کہ ابو داؤد نے اوس سے روایت کی۔ اور ابن حازم نے دوسری روایت نکالی جسکی غرض یہ ہے

کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہمارا عمل اسپر ہے۔

اس روایت اور اس تحقیقات عینی سے اسقدر تو آپکو یقیناً معلوم ہوا کہ محدثین اہلسنت نے ہوا داری سلطنت مین کوئی کسر اوٹھا نہ رکھی اور ہر طرح کی کوشش کی کہ رسول اللہ کے نام سے بھی حدیثین گڑھین جناب امیرؑ کی طرف بھی وضعی حدیث کی نسبت کی جس مین وہ ایک حد تک کامیاب بھی ضرور ہوئے کہ مسلمانون کے ایک بڑی جماعت کی نماز کو خراب کیا اور قیامت تک ایک ایسا پھندا ڈال دیا جس سے نکلنا محال ہے۔

اب مین اس رسالہ کو ختم کرتا ہون اور بطور اتمام حجت یہ عرض کرتا ہون کہ برائے خدا و رسول اپنی نماز درست کیجئے اور ہاتھ کھول کر نماز پڑھیئے۔ جو طریقہ رسول اللہ تھا اور طریقہ اہلبیت اطہار اور طریقہ تمامی صحابہ و تابعین و امام مالک جو آجتک مالکیون مین رائج ہے۔ چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہین و حکی بن المنذر عن عبد اللہ بن الزبیر والحسن بصری وابن سیرین انہ یرسلہما وکذلک عند مالک فی المشھور یرسلہا وان طال ذلک علیہ وضع الیمنی علی الیسری للاستراحۃ ص ۱۵

یعنی ابن المنذر نے عبداللہ زبیر خلیفہ وصحابی اور امام حسن بصری

اور ابن سیرین سے یہ روایت کی ہے کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑہتے تھے۔ اور مالک سے بھی روایت مشہور یہی ہے مگر بغرض استراحت وہ اسکی اجازت دیتے تھے اگر نماز مین طول ہوجائے تو داہنا بائین پر رکھے۔

کیونکہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہے گا تو آپکو ہزارون دقتین پیش ہین۔ اولاً یہ کہ اگر سینہ پر ہاتھ باندہے گا تو گو مذہب شافعی مین جائز ہے۔ مگر حنفیون کے یہان ناجائز۔ اور دونون کا استدلال حدیث سے ہے۔ پھر امام شافعی کو یہ بھی شکایت ہوگی کہ ہمنے تو ہاتھ کہول کر نماز پڑہنے کی بھی اجازت دی تھی۔ اور امام احمد بن حنبل علیحدہ ناراض ہونگے کیونکہ اونسے دو روایت ہے۔ اگر اس احتمال سے نکل گئے تو پھر یہ دقت ہے کہ کس طرح رکھے گا کیونکہ علامہ جبنی لکھتے ہین کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی (کف دست) بائین ہاتھ کے گٹے پر رکھنا چاہیئے۔ ابو یوسف کہتے ہین داہنے ہاتھ سے بائین ہاتھ کا (رسغ) گٹا پکڑنا چاہیئے۔ محمد کہتے ہین اسی طرح رکھنا چاہیئے (یعنی پکڑنا نہ چاہیئے) مفید مین ہے کہ (رسغ) گٹے کو خنصر و ابہام سے پکڑنا چاہیئے۔ یہی مختار ہے۔ درایہ مین ہے کہ کوع الیسر (جو نر انگشت اور خنصر کی طرف ہے) کو کف ایمن سے پکڑے۔ یہی قول احمد و شافعی ہے۔ ابو یوسف محمد کی ایک روایت یہ ہے کہ باطن اصابع کو رسغ پر طولاً رکھے اور نہ پکڑے

اور اکثر مشائخ نے اسکو مستحسن سمجھا ہے کہ باطن کف دست راست کو کف دست چپ پر رکھے اور خنصر و ابہام سے حلقہ باندھے رہتے پر صفحہ ۱۵ جلد ۳

کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ شریعت سہلہ سمحہ میں ایسی موشگافی ہو سکتی ہے حاشا و کلا یہ سب حنفیوں کی ایجاد ہے جس سے شریعت اسلامی کی تضحیک و توہین ہوتی ہے۔

ان سب کے بعد عینی نے اسرار شریعت بتایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں

الوجہ الخامس فی الحکمۃ فی الوضع علی الصدر او السرۃ فقیل الموضع علی الصدر ابلغ فی الخشوع وفیہ حفظ نور الایمان فی الصلاۃ فکان اولی من اشارتہ الی العورۃ بالوضع تحت السرۃ وھذا قول من ذھب الی ان السنۃ الوضع علی الصدر ونحن نقول الوضع تحت السرۃ اقرب الی التعظیم۔ وابعد من التشبیہ باھل الکتاب واقرب الی ستر العورۃ وحفظ الازار عن السقوط وذلک کما یفعل بین یدی الملوک وفی الوضع علی الصدر تشبیہ بالنساء فلا یسن صفحہ ۱۷ جلد ۳

کہ ہاتھ باندھنے کا کیا فائدہ ہے سینہ پر ہاتھ رکھے گا تو یہ فائدہ ہے کہ اس میں خشوع کم نور ایمان کی حفاظت ہوتی ہے نماز میں۔ تو یہ اولی ہے بہ نسبت اسکے کہ ناف پر ہاتھ رکھکر اشارہ کرے طرف عورت یعنی آلۃ تناسل کیطرف اور حنفی اسکا یہ فائدہ بتاتے ہیں کہ زیر ناف رکھنے سے ایک فائدہ تو یہ ہے

کہ ستر عورت ہوتی ہے (کیا نماز بلا لباس کے ہوتی ہے) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ازار (پائجامہ یا تہبند) گرنے سے محفوظ رہتا ہے جیسا کہ بادشاہوں کے سامنے کیا جاتا ہے تیسرا فائدہ یہ ہے کہ تشبہ اہل کتاب سے کچھ بعد ہوجاتا ہے۔ یہ سب فوائد ہیں زیر ناف ہاتھ باندہنے کے اور چونکہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے عورتونکی مشابہت ہوتی ہے۔ لہذا یہ مسنون نہیں ہے ص۱۶ جلد۳

اس بیان سے اور بھی میرے دعوے کی تصدیق ہوئی کہ امام ابوحنیفہ اسکے موجد ہیں کیونکہ وہ عجمی نژاد تھے شاہی آداب سے واقف لہذا اوسی قیاس پر نماز کا خشوع قائم کیا جسمین اونکو اہل کتاب کے طریقے نے بھی مدد دی کہ وہ شاید سینہ پر ہاتھ رکھتے تھے لہذا انہونے زیر ناف رکھا کہ تشبہ اہل کتاب سے بھی علحدہ ہوں اور بھی شاہی آداب بھی قائم رہے۔ یہ فوائد بھی حاصل ہوں کہ ہاتھ عضو مخصوص پر رہے کیونکہ نماز سے بڑھکر کسوقت تخلیہ ہوسکتا ہے بھلا شریعت کو ان اسرار و فوائد سے کیا واسطہ اوسکی تعلیم تو یہی ہے ما اتیکم الرسول فخذوه وما نہاکم عنہ فانتہوا جو کچھ تمکو رسول دین اوسکو لے لو اور جس سے منع کریں اوس سے باز رہو۔ یہ کس خدا نے کہا کہ تم اپنی رائے دوڑاؤ اپنی عقل اپنے قیاس سے کام لو۔ اسکی تو ہزار ہا دفعہ مخالفت کی گئی ہے پھر آپ کون ہیں جو بادشاہان عجم کے طریقہ کو جاری کرتے ہیں کہ دست بستہ کھڑے ہوں۔ اور اہل کتاب کا

طریقہ سیکھے ہین کہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہتے ہین اور اس سے نہین شرماتے ہیں کہ خدا کے سامنے کہان ہاتھ رکھتے ہین۔

اب شافعی اور حنفی کا فرق یہ نکلا کہ چونکہ شافعیو نبر بقول حنفی زنانہ پن غالب ہے لہذا اونہون نے عورتونکی مشابہت اختیار کی۔

اور حنفیون کو اوسکے مقابلہ مین دوسری قوت شہوانی کے دبانے کی ضرورت تھی لہذا اونہونے زیر ناف ہاتھ رکہا کہ ازار نہ کہل جائے اور اصل نماز جو روح نماز ہے یعنی حضور قلب اوسکی کسیکو فکر نہوئی کیونکہ پہلے لکھ چکا ہون حضور قلب بغیر ارسال یدین یعنی بغیر ہاتھ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنے کے ناممکن ہے۔

افسوس صد افسوس کہ اسلام کو ان لوگون نے کیسا ذلیل کیا کہ ایک نماز کو بھی اپنی اصلی حالت پر نہ رہنے دیا جس سے اسلام کی استقامت ظاہر ہوتی اور اسکی فیاضی کہ ہر وقت ہاتھ کہلے ہوے ہین جسکی طرف خداوند عالم نے اشارہ فرمایا ہے بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء

فھذا اخر الکلام فی ھذا المقام واللہ ولی الانعام والصلوۃ والسلام علی رسولہ وآلہ الغر الکرام ولعنۃ اللہ علی اعدائہم الکفرۃ الفجرۃ اللئام

منقہ الاحقر الافقر
خادم الشرع الاطہر علی اظہر
حشرہ اللہ مع النبی وآلہ خیر البشر ۲۷

